Postal Regd.No.LW/NP/63/2003to2005

June, 2005

Vol. No. 4 - Issue No. 16

Fortnightly

Tameer-e-Hayat

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

R.N.I. No-UP URD/2001/6071

(0522) 2740151 ماہنامہ سہ ماہی خانہ

2741272 دفتر استقبال

2741221 (فیکس) رابطہ ادب اسلامی

2741834 مجلس صحافت و نشریات

Mobile : 09415786548 Shop : 0522-2274606 Phone : 0522-2616731 (R)

Mohd. Akram
Jewellers

محمد اکرم جویلرس

Near Odeon Cinema, Lucknow.

Phone : 2266786

Riyaz Ahmad
Ghayas Ahmad

ثنا جویلرس

Sana Jewellers

۱۲/۳۰۱ سرائے بانس، اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

301/12, Sarai Bans,
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

Phone : 2260433

جدید و دلکش سونے، چاندی کے زیورات کے لئے
ہمارے شوروم میں آپ کا خیر مقدم ہے

گہنہ پیلیس

Gehna Palace

Whenever You See Jewellery.
Think of us

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں، محمد فاروق خاں (چاند)

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

Resi : 2226177
Akbari Gate : 2268845

سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام

Shop: 9415002532 2613736 3958875

حاجی صفی اللہ جویلرس

اماراایا شوروم

گڑبڑ جھالہ کے سامنے امین آباد، لکھنؤ

پروپرائٹر محمد اسلم

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS

Opp: Gadbad Jhala, Aminabad, Lucknow - 18

Ph : (0522) 2266824 2252789 2240999

Abdullah Malik
Managing Director Off

S. ABDUL MALIK & SONS

ایس. عبدالملک اینڈ سنس

Specialist in :
Indian Attars & Synthetics Essential Oils

253/28, Nadan Mahal Road, Nakhas, Lucknow. U.P. India
Website : malikattars.com
E-mail : shamamahouse@rediffmail.com

Editor Shamsul Haq Nadwi Office Ph : 2741235 (Ext) 18 Printed & Published by Athar Husain
on behalf of Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Parekh Offset Printing Press, Tagore Marg, Lko. Ph : 0522-3943484

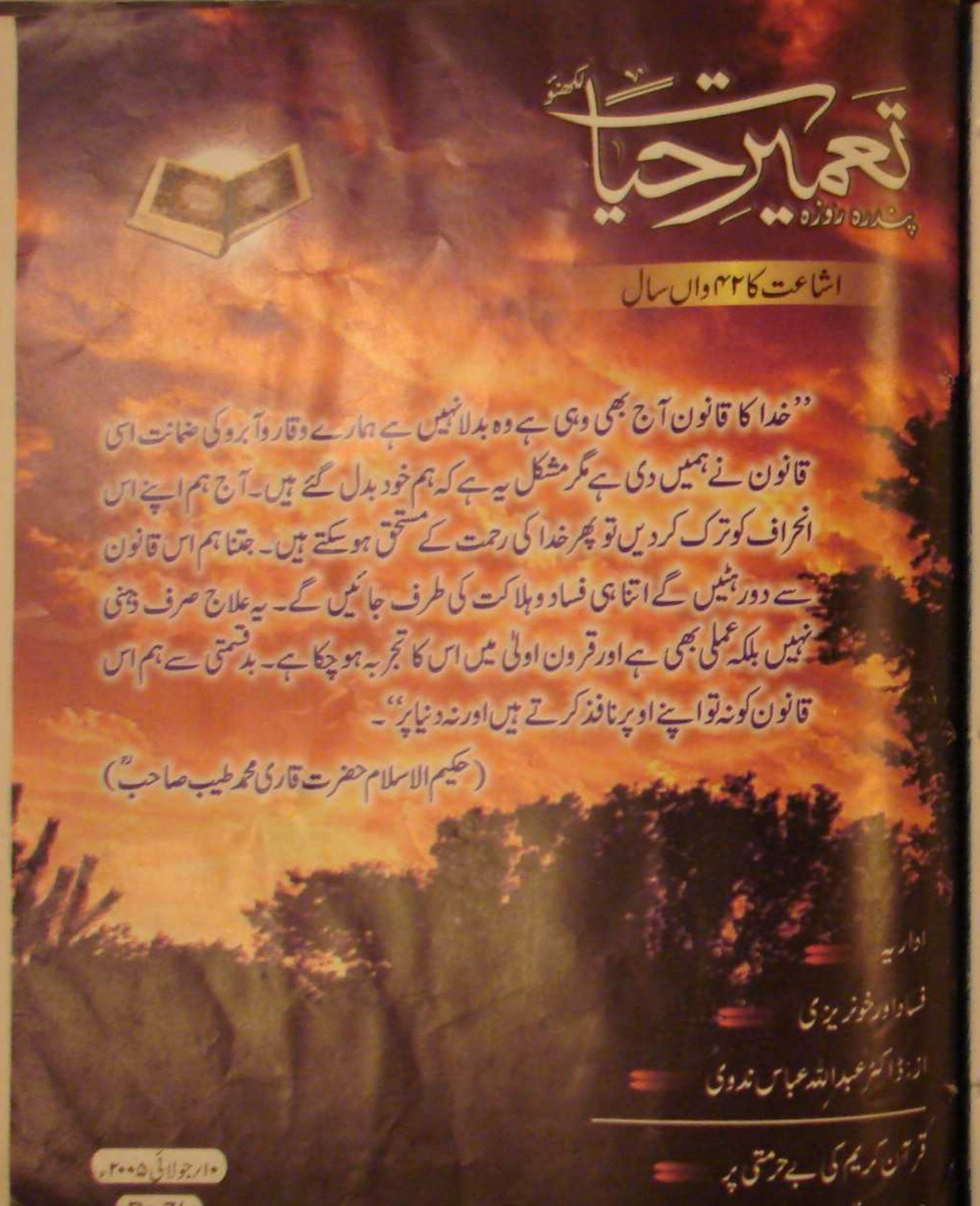

شخصیت اور کتاب

دونوں کے مجموعی اثر سے برائیاں دور کی جاسکتی ہیں

موجودہ حالات یقیناً روزانہ بد سے بدتر ہوتے جارہے ہیں لیکن اس کا علاج محض لٹریچر کے ذریعہ ممکن نہیں بلکہ اصلاح قلب کے لئے شخصیتوں کی طرف رجوع کرنا بھی ضروری ہے۔ شخصیت اور کتاب دونوں کے مجموعی اثر سے برائیاں دور کی جاسکتی ہیں۔ اس نفسانی تمدن کو بھڑکانے میں گندے ادب کے علاوہ سنیما، بدکاری اور آوارگی کے ہزاروں وسائل کارفرما ہیں۔ اس نفسانیت کے مقابلہ میں لوگوں کو روحانیت کی دعوت دینی ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کا میلان اس کی طرف ذرا دیر میں ہوتا ہے۔

ایسے افراد کم تو ہیں مگر معدوم نہیں۔ ایسے افراد شاہ ولی اللہؒ کا نظام فکر اور جامع طرز اصلاح ہی پیدا کرسکتا ہے۔ شاہ صاحب کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ دین کو استدلالی حکمتوں کو سمجھنے کی ترغیب دیتی ہے۔ وہی رنگ حضرت قاسم نانوتویؒ کا بھی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ولی اللّٰہی مسلک کے بزرگوں نے ذہن ودماغ کو اپیل کرنے کے ساتھ ہی ساتھ بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ فکر کو قلب کا تابع بنایا۔ ایک طرف مسند ارشاد سے دلوں پر حکمرانی کی، دوسری طرف درس وتدریس اور کتاب اللہ کی افہام وتفہیم کے ذریعہ دین کو عقلی واستدلالی طور پر سمجھنے سمجھانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس دور کا سب سے بڑا المیہ بقول علامہ اقبال مرحوم یہ ہے:۔

بتاؤں تم کو کہ اس دور کی ہے کیا سوغات
دماغ روشن و دل تیرہ و نظر بیباک

چنانچہ یہ بھی ضروری ہے کہ قلب کو ذکر اللہ سے معمور کیا جائے۔

(حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ)

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ اشاعت کا ۴۲ واں سال

جلد نمبر ۴۲ | ۱۰/ جولائی ۲۰۰۵ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ | شمارہ نمبر ۱۶

زیر سرپرستی
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نگران خصوصی
حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی
(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء لکھنؤ)
پروفیسر وصی احمد صدیقی
(معتمد مال ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام
مولانا شمس الحق ندوی
معاون
ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

رئیس التحریر
امین الدین شجاع الدین
معاون
محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
مولانا نذر الحفیظ ندوی مولانا عبداللہ حسنی ندوی
مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

زرِ تعاون
سالانہ -/۱۵۰ روپے فی شمارہ -/۷ روپے
ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک -/۳۵ ڈالر

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

ترسیلِ زر اور خط وکتابت کا پتہ
Tameer-e-Hayat
Post Box No. 93, Tagore Marg, Badshah Bagh Lucknow-226007
مجلس صحافت ونشریات 2741834 مہمان خانہ: (0522) 2740151

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

مضامین ومندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے خط وکتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

پرنٹر پبلشر طیب حسین نے بار یکا نیسٹ پرنٹنگ پریس، ناگور مارگ لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ناگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

اس شمارہ میں

رئیس التحریر کی میز سے	:	میڈیا کی کرشمہ سازی	۲
اداریہ	:	فساد اور خوں ریزی	۳
کلیدی مضمون	:	قرآن کریم کی اہانت جملہ آسمانی کتابوں کی اہانت	۴
سخن دلنواز	:	محبت فاتح عالم	۶
پرانے چراغ	:	مولانا حسین احمد مدنیؒ	۹
دستاویز	:	ہندوستان کا نصاب درس	۱۲
کیفیات	:	مدینہ طیبہ سے رخصتی پر اظہار افسوس	۱۶
فکر ونظر	:	کشتی امن ظلم کے منجدھار میں	۱۷
نعت	:	نعتِ رسول ﷺ	۲۰
یادِ رفتگاں	:	حضرت مولانا شاہ شرف عالم ندوی	۲۱
مینارۂ نور	:	فاتح اندلس طارق بن زیاد	۲۴
رپورٹ	:	قرآن کو طاقِ نسیاں بنا کر مسلمان سربلند نہیں ہوسکتا	۲۶
	:	نامور مصری ادیب شوقی ضیف	۱۱
تعارفِ کتب	:	کتابوں کی دُنیا	۲۷
نقطۂ نظر	:	دعوتِ اتحاد واتفاق	۲۹
سفر دہرہ دون	:	تاثرات	۳۱
آخری صفحہ	:	قانون مکافاتِ عمل	۳۲

اگر آپ کے خریداری نمبر کے نیچے کالی لکیر ہے تو آپ یہ سمجھئے کہ آپ کا چندہ ختم ہوچکا ہے، آپ زرتعاون مبلغ =/Rs.150 جلد ہی روانہ کریں۔
(ادارہ)

رئیس التحریر کی میز سے

امین الدین شجاع الدین

میڈیا کی کرشمہ سازی

ایک چیز ہے خبر نگاری اور دوسری چیز ہے خبر سازی، ایک مدت سے اسلام اور مسلمانوں کے معاملات میں میڈیا عموماً خبر سازی کے رویہ کو اپنائے ہوئے ہے، جس صحافت کی اہمیت وافادیت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے کبھی جمہوریت کا چوتھا ستون سمجھا جاتا تھا افسوس کہ ادھر ایک مدت سے بحیثیت مجموعی صحافت کا کردار نفع رسانی کا کم اور ضرر رسانی کا زیادہ ہوگیا ہے اور اس کے غیر ذمہ دارانہ رویہ ہی کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ سیاسی بازیگر آج ایک بیان دیتے ہیں اور دوسرے دن میڈیا پر اسے توڑ مروڑ کر پیش کرنے کا الزام عائد کر کے بری الذمہ ہوجاتے ہیں، اس لحاظ سے اس تضاد کا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ ایک طرف تو میڈیا ایک مؤثر قوت وطاقت ہے لیکن اسی کے ساتھ اپنا اعتبار کھودینے کی وجہ سے اس کے عموماً عضو ضعیف ہونے کا بھی احساس ہوتا ہے، یہ نتیجہ ہے دراصل کذب وجھوٹ، بہتان تراشی اور اپنے ذرا سے مفاد کے لیے دوسروں کے استحصال کا، جسے دوسرے لفظوں میں خبر سازی کہہ لیجئے، صحافت سے وابستہ ذمہ داران کے لیے یہ امر لمحہ فکریہ ہے کہ آیا مستقبل قریب میں صحافت کا رشتہ اعتبار واعتماد سے استوار رہے گا یا بے اعتباری اور کذب بیانی سے عبارت ہوگا۔ صحافت ہمارے نزدیک قیادت کا دوسرا نام ہے لیکن وہ قیادت ہی کیا جو عوام اور بھیڑ کے پیچھے چلتی ہو اور اس کی عمومی رائے اور نظریہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنا رخ طے کرتی ہو۔

عمرانہ کیس گزشتہ کئی ہفتوں سے اب تک موضوع بحث بنا ہوا ہے اور اس پر اپنوں نے بھی اور غیروں نے بھی، علماء نے بھی اور غیر علماء نے بھی، اہل اور نااہل سب نے خوب خوب رائے زنی کی ہے جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اس پر ہم اپنی ناقص رائے پیش کر کے خود کو ''غیر ذمہ داروں'' کی فہرست میں شامل نہیں کرنا چاہتے۔ اسے میڈیا کی کرشمہ سازی ہی کہیئے کہ اسے اتنی سی بات کو افسانہ بنا دینے اور رائی کو پربت بنا دینے میں مہارت حاصل ہے اور اس کی اخلاقیات (Ethics) کا یہ عالم ہے کہ وہ شبستانوں کے راز ونیاز تک کو چوراہوں اور چائے خانوں کا موضوع بنا دیتا ہے اور ڈائنا جیسی خاتون کا بھی اس کے قتل اجل ہوجانے تک تعاقب کرتا ہے۔ لیکن! عمرانہ کیس کئی جہتوں سے مختلف اور جداگانہ ہے، اب عمرانہ محض اب مظفر نگر کے کسی پس ماندہ علاقہ کی ایک خاتون کا نام نہیں رہا بلکہ میڈیا اسے ایک ''مظلوم مسلمان عورت'' کے روپ میں پیش کرنے کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا ہے، اس تاثر کو تقویت دینے میں بہر حال اسے کامیابی ملی ہے کہ نعوذ باللہ اسلام ایک فرسودہ مذہب ہے اور وہ اپنے اندر موجودہ زمانہ کے دوش بدوش چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ میڈیا اپنی اس کوشش میں بھی کامیاب ہوتا دکھائی دے رہا ہے کہ مسلمان اس امر پر متفق ہیں کہ وہ کبھی متفق نہیں ہوں گے، اس لیے ہمیں میڈیا اور اغیار سے کم اور اپنوں سے زیادہ شکایت ہے، اغیار کا ہدف تو صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ اصل میں اسلام ہے اور وہ اسلام جو ایک مکمل نظام حیات ہے، جس کے متعلق ہم سے زیادہ ان کو ادراک ہے کہ دنیا کی ساری تہذیبیں ان میں جذب اور مدغم ہوسکتی ہیں لیکن اسلام اپنی مکمل شناخت کے ساتھ باقی رہنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، اغیار کو مسلمانوں کے رسم ورواج اور Rituals سے کوئی سروکار نہیں، وہ تو چاہتے ہیں کہ ان میں جتنی خرافات موجود ہیں انھیں تقویت دی جائے اور چشمۂ صافی سے انھیں جس قدر دور کیا جاسکتا ہے، کیا جائے۔ نیز ان کے باہمی اختلافات کو ہوا دی جائے۔۔۔ لہٰذا بڑے ادب لیکن دکھ کے ساتھ ہمیں اپنوں سے شکوہ ہے کہ انھوں نے اختلافات کو مخالفت کا رنگ دینے میں اور فقہی موشگافیوں کو چوراہوں پر لے آنے میں سستی شہرت کی خاطر میڈیا کو غذا فراہم کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا، علاوہ ازیں ہم اس پر بھی شکوہ سنج ہیں کہ ہمارا مزاج یہ بنتا جارہا ہے کہ بروقت اقدام نہ کرتے ہوئے سانپ کے گزر جانے کے بعد لکیر پیٹی جائے اور دردمندان ملت چراغ رخ زیبا لے کر اس فراست کی تلاش میں رہیں جسے مومنانہ فراست کہتے ہیں اور جس سے خوف دلاتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ مومن کی فراست خدا کے نور سے دیکھتی ہے۔

بولہبی میڈیا چراغ مصطفوی کی لو کو بجھانے یا کم از کم مدھم کرنے میں طلوع اسلام ہی کے وقت سے اس کے تعاقب میں ہے۔ عالم کے نئے نظام نے اس کو مزید پر پرزے فراہم کردیئے ہیں، مسلمانوں کے لیے یہ ایک چیلنج ہے کہ وہ اس سیلاب کا مقابلہ کس طرح اور کیوں کر کریں، نیز یہ ثابت کر دکھائیں کہ اسلام واقعی دنیا کا آخری اور سچا مذہب ہے۔

اداریہ

فساد اور خوں ریزی

(حضرت مولانا) عبداللہ عباس ندوی

مصر کے روزنامہ اخبار ''الیوم'' کے شمارہ ۱۸ر جون ۲۰۰۵ء میں ایک رپورٹ کا ترجمہ شائع ہوا ہے کہ یورپین ممالک میں غیر طبعی موت کی تعداد طبعی موت سے پچاس گنا زیادہ ہوتی ہے، یہ تو کسی یورپین یونیورسٹی کے شعبۂ احصائیات کا جائزہ ہے، ہمارے ایشیائی اور افریقی ممالک میں ہلاکت کی جو خبریں ریڈیو، ٹی وی، اور اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اب لوگ ایسی خبروں پر کوئی فکر مندی یا قلق کا اظہار نہیں کرتے، کبھی کسی کھڈ میں بس گر گئی، کہیں کسی شورش پسند نے گولی چلادی، کہیں کوئی بم چھوڑا گیا، کہیں ہوائی جہاز کریش ہوا، کہیں ٹرین پٹری سے اتر گئی۔ انسانی نفوس کی ہلاکت کو ہم اور آپ کوئی اہمیت نہیں دیتے، اور اگر اہمیت دیں بھی تو صورت حال میں کیا تبدیلی واقع ہوجائے گی، اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جب ازل میں سجدۂ آدم کا سوال اٹھا تھا اور روئے زمین پر اللہ نے اپنا خلیفہ انسان کو منتخب کیا اس وقت فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ ایسی مخلوق کو اپنا خلیفہ بنائیں گے؟ یہ تو خون بہائے گا اور بگاڑ پیدا کرے گا، فرشتوں کو جن باتوں کا علم تھا اس کو وہ بغیر کہے نہیں رہ سکے، جیسے کسی کو معلوم ہو کہ آگ کے ساتھ روئی رکھی جائے تو روئی جل جائے گی، مگر اللہ تعالیٰ کا علم سب پر حاوی رہا۔ اور فرمایا کہ ہماری مصلحت کیا ہے اور ہم ان سے کیا کام لینے والے ہیں وہ تم نہیں جانتے۔

واعلم ماتبدون وماکنتم تکتمون (البقرۃ:۳۳) اور جانتا ہوں جس بات کو تم ظاہر کردیتے ہو اور جس بات کو دل میں رکھتے ہو۔

ایک طرف یہ بات بڑی گہری اور سچی ہے جو اللہ نے دکھادیا کہ آگ ضرور ہے مگر اللہ تعالیٰ ان سے اور کام لے سکتا ہے روئی ہے مگر باقی بھی رکھ سکتا ہے، دونوں کی خصوصیت اپنی جگہ پر سامنے آرہی ہے، لیکن ایسا بھی نہیں کہ خون بہانے اور بگاڑ پیدا کرنے کی جو خصوصیت تھی وہ بالکل ختم ہوگئی ہو، اب دیکھئے کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کیا اور اس وقت سے بگاڑ اور خونریزی بشریت کی پہچان بن گئی، انسان کو بڑھایا تو اتنا بڑھایا کہ اعلیٰ علیین کے مسند پر بٹھادیا، اور گرایا تو اتنا گرایا کہ واقعی اسفل السافلین کے درجہ پر پہنچ گیا۔ آپ نے یہ تو سنا ہوگا کہ انسانوں کو پھاڑ کھانے والے درندے بکثرت دنیا میں موجود ہیں ایسے بھی ہیں جن کی غذا جسم کے خون کے علاوہ کچھ نہیں ہوسکتی، غذا سب کو مل رہی ہے مگر دل آزاری اور جسم کے خون کے ساتھ بشریت کی تذلیل جتنا انسان نے کیا ہے وہ کسی درندے نے آج تک نہیں کیا، انسانی لاشوں کے اوپر چٹائی بچھا کر دوسرے انسان کا گوشت کھانے اور شراب پینے والے بھی اس آسمان نے دیکھے ہیں، انسانی کھوپڑیوں کا چبوترہ بنا کر اس پر کرسی ڈال کر بیٹھنے والے اور داد عیش دینے والے بھی یہی حضرت انسان ہیں۔ درندے دل کو چبا جاتے ہیں مگر دل آزاری نہیں کرتے، انسان اپنے سینے میں دل رکھتا ہے اور دوسرے کے سینوں میں جو مضغۂ لحم ہے اس کو سل سمجھتا ہے، بات جس طرح کہی جائے سب ٹھیک ہے، لیکن سچی اور سلجھی، یقینی اور پکی بات جو قرآن کی تھی وہ اب بھی اسی طرح قائم ہے، جیسے فضا میں آواز گونج رہی ہے اور صفحۂ قرطاس پر جو لکھ دیا گیا ہے اس کی روشنائی دھیمی یا ہلکی نہیں پڑی، ساری دنیا کی باتیں جھوٹی ہوسکتی ہیں، سارے تخمینے غلط، تمام نظریات پانی کے بلبلوں کی طرح بے وزن ثابت ہوئے یا ہوسکتے ہیں مگر قرآن کی بات جتنی سچی اور پکی کل تھی وہی آج بھی ہے، کتنی سچی بات اور پکی بات فرشتوں نے کہہ دی تھی:

قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک، قال انی اعلم مالا تعلمون (البقرۃ:۳۰)

فرشتے کہنے لگے کہ کیا آپ پیدا کریں زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اور خونریزیاں کریں گے، اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد للہ اور تقدیس کرتے رہتے ہیں آپ کی، حق تعالیٰ نے نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے۔

کیا اس آسمان اور زمین کے درمیان کسی ملک کی تاریخ میں کہیں کوئی دکھا سکتا ہے کہ انسان کی یہ خصوصیت کہ جس کو دیکھ کر درندے بھی شرمندگی محسوس کریں، کبھی بشر سے جدا ہوئی؟ ایک طرف زندگی اس درجہ عزیز کہ دنیا کی ساری قوتیں، وسائل، ذہانتیں اس کو زیادہ دیر تک چلانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں، دوسری طرف اس درجہ بے قیمت کہ جیسے بکریوں اور مرغیوں کا خون بھی شاید اس سے زیادہ قیمتی ہو یہی وہ تضاد ہے جس کی حقیقت ملائکہ کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اور آج تک کسی سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکا۔

کلیدی مضمون

قرآن کریم کی اہانت جملہ آسمانی کتابوں کی اہانت ہے

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب عظیم میں مسیحیت کے قدیم تعین کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے۔ آیت کا ترجمہ:

''ایمان والوں کے ساتھ سب سے بڑھ کر دشمنی رکھنے والے آپ ﷺ یہود و مشرکین ہی کو پائیں گے اور آپ ایمان والوں کے ساتھ دوستی میں سب سے زیادہ قریب انھیں پائیں گے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں یہ اس لیے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور اس لیے کہ یہ تکبر نہیں کرتے'' (المائدہ:۸۲)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کہ اس مسیحی دین کے ماننے والے دلوں کی نرمی وخودداری، انسانی احساسات و جذبات، بھائی چارہ وغم خواری، شرافت و اخلاق اور فاضلانہ صفات سے انسانی محبت وتعلق میں دوسرے منکرین اسلام سے کہیں زیادہ بڑھے ہوئے ہیں، اس کی روشن دلیل اور بینی ثبوت شہنشاہ حبشہ کا عہد رسالت میں ان بے گھر، مظلوم اور بے سہارا مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک و معاملہ ہے جنھوں نے ملک حبشہ میں پناہ لی تھی۔

اسی طرح قیصر روم نے حضور اکرم ﷺ کے دعوتی خطوط کے ساتھ اچھا معاملہ کیا تھا، خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں انھوں نے قدس کو رضامندی و سلامتی کے ساتھ خلیفۃ المسلمین کے حوالہ کر دیا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ ان مسیحیوں کے حسن اخلاق، بہتر معاملات اور انسانی ہمدردی کے اور دیگر بہت سے واقعات اور مختلف حالات ہیں جو حلقہ بگوش اسلام تو نہیں ہوئے لیکن مسلمانوں کے ساتھ انھوں نے انسانی ہمدردی کا معاملہ کیا۔

مسلمانوں نے بھی ان کے ساتھ اس سے زیادہ ہمدردانہ اور خیر خواہانہ سلوک کیا۔ یہاں تک کہ خونریز جنگ میں بھی مسلمانوں نے اپنے مغلوبین اور مفتوحین کے ساتھ نہایت شریفانہ و عادلانہ معاملہ کیا جو ان کے اور مسیحیوں کے مابین حکومتی اختلاف کے دوران ہوئی تھی۔

اسی طرح سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اس کے ساتھ بھی بہتر سے بہتر سلوک کیا جس وقت انھوں نے مسلمانوں کے قبلہ اوّل بیت المقدس کو نوے سال کے غاصبانہ مسیحی قبضہ سے آزاد کرایا تھا۔

اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے آیت مذکورہ کی وجہ سے ان کے تئیں ہمیشہ اپنے دلوں میں اکرام واحترام کا جذبہ رکھا، اسلام کی لمبی تاریخ اس قسم کی بے شمار مثالوں سے بھری پڑی ہے، حتی کہ حسن سلوک اور ہمدردانہ جذبہ کی مثالیں ان جنگوں میں بھی ملتی ہیں جو فریقین کے مابین ہوئیں حالانکہ جنگ نام ہے سفاکی، خونریزی اور حد سے زیادہ ظلم وزیادتی اور بربریت کا، منصف مزاج مسیحی دانشوروں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ صلاح الدین نے مغلوبین اور مفتوحین امراء وقائدین کے ساتھ صلیبی جنگ میں بہتر سے بہتر سلوک کیا۔ خود مسیحی ہمدردانہ، رحمدلانہ جذبہ اور امن وآشتی کی تعلیمات کے دعوے دار ہیں اور اسے مسیحیت کی عملی و دینی بنیاد بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی تمھارے ایک رخسار میں طمانچہ مارے تو تم اس سے انتقام لینے کے بجائے اپنا دوسرا رخسار پیش کردو۔

لیکن عہد رسالت اور خلفاء راشدین کے زمانہ کے بعد عیسائیوں کے مسلمانوں کے ساتھ اپنے ان معاملات، اخلاق اور شریفانہ برتاؤ میں تبدیلی آئی جن کی بنیاد پر قرآن نے ان کی تعریف کی تھی اور مسلمانوں کے ساتھ نفرت و عداوت، بغض وحسد، مکر وفریب، مکاری وعیاری میں مشرکین اور یہود سے جا ملے جیسا کہ قرآن کریم نے ذکر کیا ہے۔

حالانکہ یہود ونصاریٰ اپنی دونوں مقدس کتابوں (توریت وانجیل) کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کے دلائل و براہین سے اور اس بات سے کہ دین اسلام دین حق ہے جس کا اپنانا ہر انسان کے لیے لازمی اور ضروری ہے اور عیسیٰ علیہ السلام نے خود اپنے بعد ان کے آنے کی بشارت دی ہے سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔

مگر نسلی عصبیت نے یہودیوں کو نبی کریم ﷺ کی نبوت کے اعتراف سے روک دیا، اور اس معاملہ میں سب سے حیرت انگیز اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ عیسائیوں نے بھی اسلام ومسلمان دشمنی میں یہودیوں کی روش اور نقش قدم کی پیروی کی۔

ہم نے مشاہدہ کیا کہ اخیر کی صدیوں میں عیسائی و یہودی محققین اور اسکالرس اسلام و مسلمانوں کی خوبیوں اور اچھائیوں کو بگاڑ کر پیش

کرنے میں سرگرم ہو گئے اور سیرت رسول، سیرت خلفائے راشدین کے واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے لگے اور ان سے غلط نتائج کا استنباط کرنے لگے۔

اس سے زیادہ افسوس ناک والمناک بات یہ ہوئی کہ، اسلام ومسلمانوں کی اس بگڑی شکل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلامی تعلیمات میں کمزوری کی تلاش، مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے اور اس کے صحیح حقائق سے دور کرنے کا ذریعہ بنالیا اور اس کو انھوں نے یونیورسٹیوں، تعلیمی وتربیتی مراکز اور دانش گاہوں کے نصاب تعلیم میں داخل کر دیا، جس کے نتیجہ میں آخر زمانہ میں ایسی نسلیں تیار ہوئیں جن کے ذہن ودماغ کو مغرب زدہ اساتذہ نے اسلامی تعلیمات کے سلسلہ میں شکوک وشبہات سے بھر دیا۔

اور انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسلامی ملکوں میں اس کی نشر واشاعت میں ان کی حکومتوں نے بھرپور حصہ لیا، پھر ان حکومتوں نے اسلامی ملکوں میں مسلمانوں کے اسلامی طاقت و قوت کو ختم کرنے کے لیے دوسرے اقدامات بھی کیے اور ان ملکوں میں اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے گولیاں بھی چلائیں اور تباہی وبربادی کا وسیلہ بھی اختیار کیا اور افسوسناک بات یہ ہے کہ مغرب کے سیاسی قائدین اور لیڈران نے وہاں کے گرجا گھروں کے دینی قائدین و رہنماؤں کو ان کی سیاسی واجتماعی زندگی سے جلاوطن کر کے ان دینی قائدین ورہنماؤں نے سیاسی قائدین، عیسائی کے پڑھے لکھے طبقہ اور برسر اقتدار لیڈران کے اسلام سے متعلق معاندانہ رویہ پر خاموشی اختیار کر لی۔ عیسائی ارباب حل وعقد، محققین اور دانشوروں کی جرأت اس حد تک بڑھ گئی کہ وہ اسلام کے شعائر و مقدسات کے ساتھ بے حرمتی اور اہانت آمیز معاملہ کرنے لگے جیسا کہ پچھلے دنوں انھوں نے اسلام کی عظیم کتاب قرآن کریم کے ساتھ کیا۔

پوری دنیا کے مسلمانوں نے قرآن کی بے حرمتی واہانت پر زبردست احتجاج ومظاہرہ کیا لیکن افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں کے اس زبردست احتجاج ومظاہرہ سے عیسائی سیاسی قائدین کے سروں پر جوں تک نہیں رینگی۔ حالانکہ قرآن ایک ایسی آسمانی کتاب ہے جس میں سیدنا عیسیٰ وموسیٰ علیہ السلام، اور بنی اسرائیل اور ان کے کارناموں کا تحسین وتوصیف کے ساتھ ذکر ہے، دین مسیح کا بہترین تذکرہ ہے۔ اور یہ کتاب قرآن کے ساتھ توریت وانجیل کا بھی ذکر کرتی ہے تو بظاہر اس توہین آمیز سلوک سے صرف قرآن ہی کی توہین نہیں ہوئی، بلکہ اس سے توریت وانجیل دونوں مقدس کتابوں کی توہین ہوئی ہے، کیوں کہ یہ وہ آسمانی کتابیں ہیں جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔

بلاشبہ صحیح یہودیت اور صحیح عیسائیت اس طرح ناپاک ظالمانہ جرأت کبھی نہیں کر سکتی ہے کیونکہ یہ جرأت نہ صرف اسلام اور قرآن پاک ہی کے حق کی ہے بلکہ توریت وانجیل کی بھی توہین ہوئی ہے بلکہ یہ کتاب اللہ دونوں آسمانی دین یہودیت و عیسائیت کی توہین نہیں کرتے۔

مذکورہ بالا باتوں سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ نصرانی و یہود ایک طرف تو اسلام سے دشمنی وعداوت رکھتے ہیں اور دوسری جانب اللہ کے نبی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے نعوذ باللہ بغض وعناد اور حسد بھی رکھتے ہیں۔ تو انھیں ان انبیائے کرام میں شمار کرتے ہیں جن کا اکرام واحترام جن کی نبوت اور اس عصر پر جس میں یہ مبعوث کیے گئے ایمان لانا ایمان کے واجبات میں سمجھتے ہیں۔

آج مسلمان خود ان مسیحیوں سے دین مسیح کا زیادہ اکرام واحترام کرنے والے سمجھے جاتے ہیں جس کے ماننے والے اگرچہ اپنی اس پہلی حالت سے بدل چکے ہیں جس میں ان کے اندر انسانی شفقت ومحبت امن وآشتی کا جذبہ اور خیر کی رعایت پائی جاتی تھی جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے لیکن آج کے عیسائی جن کی نمائندگی امریکہ کے قائدین کر رہے ہیں وہ دینی وانسانی اقدار و اخلاق، فضائل وشرافت کو زیادہ پامال کر رہے ہیں، بہر حال مسلمانوں سے دشمنی اور اسلامی ملکوں کو ظلم و زیادتی، سفاکی وبربریت کا شکار بنانا ان کی قوتوں کو منتشر کرنا ان کا شیوہ بن گیا ہے جن کی قیادت و سیادت امریکہ کر رہا ہے اور پوری سفاکی و بربریت حماقت وگراوٹ کے ساتھ یہ ظلم وزیادتی کر رہا ہے۔ ان سب سے امریکہ کو کوئی فائدہ پہنچنے والا نہیں ہے بلکہ یہ ساری باتیں دنیا کے تمام مسلمانوں کے دلوں میں ناراضگی ناپسندیدگی اور مدام عداوت کے نقوش چھوڑ دے گی جو تاریخ میں ہمیشہ کے لیے باقی رہیں گے، موجودہ دور میں مسلمان اس زیادتی کے خلاف جو احتجاج و مظاہرے کر رہے ہیں وہ ان کا دینی حق ہے۔

اللّٰہ ھو المستعان و علیہ التکلان ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

(ترجمانی: جناب قیصر حسین ندوی)

توجہ فرمائیں

محترم خریدار حضرات!

اگر آپ کے خریداری نمبر کے نیچے کالی لکیر ہے تو آپ یہ سمجھئے کہ آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، آپ زر تعاون مبلغ Rs.150/= جلد ہی روانہ کریں۔

(ادارہ)

سخن دل نواز

محبت فاتحِ عالم

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

محبت کو اقبال نے فاتح عالم کہا ہے، اس سے ہمارا ذہن ان فاتحین عالم اور کشور کشاؤں کی طرف جاتا ہے، جنھوں نے اپنے زور بازو یا نوک شمشیر سے ملک فتح کئے اور ہزاروں لاکھوں انسانوں کے جسم پر (اکثر ان کی مرضی کے خلاف) حکومت کی بہت سے فلسفیوں اور دانشوروں نے دماغوں کو تسخیر کیا، زبانوں کو گنگ کر دیا، دلائل کے لشکروں کو شکست فاش دی اور اپنے دماغی تفوق اور علمی فتح کا سکہ بٹھا دیا بہت سے دولت مندوں اور سرمایہ داروں نے بہت سے لوگوں کی زبانیں پر سونے کی مہر اور اشرفی کا ٹھپہ لگا دیا اور وہ [illegible] کا گن گانے لگے، ان کے دماغ ان کے باغی، ان کے دل ان سے بیزار لیکن ان کی زبانیں ان کی مدح وتوصیف میں سرشار تھیں۔

لیکن محبت کی فتح ان سب فتوحات سے نرالی ہے، ایسی نرالی کہ اس کو فتح کہتے ہوئے بھی محبت سے معذرت کرنی پڑتی ہے اور اس میں اس کی حق تلفی یا ناشناسی کی بو آتی ہے اس لیے کہ محبت نے اور اہل محبت نے اکثر کھو کھو کر پایا ہے اور ہار ہار کر جیتا ہے اس کو کسی جنس کی طرف، کسی اشرف المخلوقات انسان کی طرف، کسی صاحب ضمیر ہستی کی طرف شکست کی نسبت کرنے سے بھی تکلیف محسوس ہوتی ہے اور اپنی انسانیت دوستی، اپنے لطیف جذبات اور اپنے نازک احساسات سے شرم آنے لگتی ہے ہے، بادشاہوں، فاتحین عالم اور مادی طاقت رکھنے والوں کا اس اصول پر عقیدہ اور عمل تھا کہ ''نہ رہے بانس نہ بجے بانسری'' اور اہل محبت کا اس اصول پر کہ بانس بھی رہے اور بانسری بھی صرف اس کا نغمہ بدل جائے، اس سے پہلے نفرت وعداوت کے گیت نکلتے تھے اور اب محبت شکر واعتراف کے گیت نکلنے لگیں۔ بادشاہوں اور طاقتوروں کا اصول یہ تھا کہ دشمن کو فنا کر دیا جائے۔ اہل محبت کا اصول یہ تھا کہ دشمن کو دوست نہیں بلکہ عاشق بنا لیا جائے اس اصول کا کرشمہ یہ تھا کہ جو خون کے پیاسے ہو کر آتے تھے وہ ان کا کلمہ پڑھنے اور انکا دم بھرنے لگتے تھے اور ساری عمر ان کی چوکھٹ پر گزار دیتے تھے۔

اس اصول پر سب سے زیادہ خدا کے پیغمبروں، مذہبی پیشواؤں اور سچی روحانیت اور بے لوث محبت کے علمبرداروں نے عمل کیا۔

مذہب اخلاق و روحانیت اور فقر و تصوف کی تاریخ ان مثالوں سے بھری ہوئی ہے کہ آدمی جان لینے آیا اور ان کے دربار میں جان و دل دونوں کھو بیٹھا، میں نے غلط کہا کہ اس نے کھویا نہیں! بلکہ سب کچھ پالیا۔ اپنے آپ کو بھی پالیا۔ اپنی نامعلوم صلاحیتوں کو حسن و احسان کو، انس و محبت کو ہر انسان کے اندر محبت کرنے، قدر کرنے اور اثر لینے کی جو صلاحیت ہے، اس نے نہ صرف اس کو دریافت کر لیا بلکہ اس کا مزہ چکھ لیا اور پھر ساری عمر اس کا مزہ لیتا رہا، وہ اپنے کو نہیں پہچانتا تھا، جان گیا، کولمبس کو نئی دنیا دریافت کرنے سے اتنی خوشی نہ ہوئی ہوگی، جتنی اس کو اپنی نئی دنیا دریافت کر لینے سے خوشی ہوئی۔ اقبال ہی زبان سے سنئے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
من کی دنیا من کی دنیا، سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن

کتنے آدمی تھے، جن کے دل و دماغ میں شک وانکار کی گرہیں پڑی ہوئی تھیں فلسفہ و منطق علم واستدلال جتنا ان گرہوں کو سلجھانا چاہتا تھا، اتنی ہی اور نئی نئی گرہیں پڑتی جاتی تھیں، ان اہل دل اور اہل محبت کی ایک نگاہِ دلنواز اور آنکھوں کی ایک چمک اور لبوں کی ایک مسکراہٹ نے برسوں کی دماغ کی گرہیں اور دل کی سلوٹیں دور کر دیں، حسرت نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

دلوں کو فکر دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

اور اقبال نے کہا ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

یہاں پر میں ہندوستان کے ایک عظیم روحانی پیشوا اور صوفی حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا ایک واقعہ بیان کروں گا اس سے اندازہ ہوگا کہ محبت و مروت میں شرافت و اخلاق میں اور عفو و درگزر میں کیا جادو، کیسی موہنی اور فتح و تسخیر کی کیسی طاقت ہے۔ خواجہ صاحب کے یہاں دستور تھا کہ جو لوگ ملنے آتے تھے وہ اکثر کوئی بے تکلف نذر اور تحفہ لے آتے تھے، خواجہ صاحب تو عموماً روزہ سے ہوتے تھے اور یوں بھی ان کو کھانے پینے سے زیادہ دلچسپی نہ تھی، یہ سب غریبوں اور مہمانوں کے کام آتا، ایک مرتبہ ایک بہت پڑھے

لکھے آدمی فلسفی قسم کے امتحان کے طور پر آنے والوں کے مجمع میں شامل ہو گئے انھوں نے سوچا کہ بہت آدمی نذر و تحفہ لاتے ہیں، خواجہ صاحب کو کیا پتہ چلے گا کہ کون کیا لایا، انھوں نے راستہ سے اٹھا کر مٹی کی وہ پڑیا بھی رکھ دی خواجہ صاحب کے یہاں دستور تھا کہ جب تحفے جمع ہو جاتے تو آپ اپنے خادم خاص خواجہ اقبال سے فرماتے کہ اس کو اٹھا لو، وہ لے جا کر اس کو مستحقین میں تقسیم کر دیتے، اس دن بھی ایسا ہی ہوا، خواجہ صاحب نے اشارہ کیا اور خواجہ اقبال سب تحفوں کو سمیٹ کر لے جانے لگے، جب اس پڑیا کی باری آئی تو آپ نے فرمایا کہ اس پڑیا کو رہنے دو یہ میری آنکھوں کا سرمہ ہے خواجہ صاحب کو خیال ہوا کہ اگر راز فاش ہو گیا تو ان عالم صاحب کی خیر نہیں، بزرگانِ دین کسی کی توہین اور ذلت برداشت نہیں کر سکتے اور دل توڑنا ان کے مذہب میں روا نہیں، وہ فاضل آپ کی یہ ادا دیکھ کر اس شمشیر محبت کے گھائل اور آپ کی محبت وعظمت کے قائل ہو گئے وہیں قدم پکڑ لیے اور عمر بھر انھیں کا دم بھرتے رہے۔

انھیں حضرت محبوب الٰہی کا مقولہ ہے کہ عداوت کا جواب عداوت، نفرت کا جواب نفرت اور مخالفت کا جواب مخالفت نہیں، عداوت کا جواب دوستی اور خیر خواہی، نفرت کا محبت اور بدی کا نیکی ہے، فرماتے تھے کہ اگر کانٹے کے ساتھ کانٹا رکھ دیا جائے، تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے، اور کانٹوں کا ڈھیر لگ جائے گا اس سے کچھ فائدہ نہیں، یہ بھی فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ سیدھے کے ساتھ سیدھا رہے اور ٹیڑھے کے ساتھ ٹیڑھا اور میں کہتا ہوں کہ سیدھے کے ساتھ بھی سیدھا رہے اور ٹیڑھے کے ساتھ بھی سیدھا، چنانچہ ان کی ساری عمر اسی پر عمل رہا۔

ایک شخص خواہ مخواہ مخالف و دشمن تھا اور موقع بے موقع برا بھلا کہتا رہتا تھا، جب اس کا انتقال ہوا تو اس کے یہاں تعزیت کو گئے دو رکعت نماز پڑھی اور اس کے لیے بہت دعا کی۔ اور کہا کہ خدایا میں نے اس کو معاف کیا تو بھی اس کو معاف کر، انھیں کے سلسلہ کے ایک بزرگ شاہ مینا صاحب جن کی عمر لکھنؤ میں گزری، اکثر فارسی کے دو شعر پڑھا کرتے تھے۔

ہر گہ مارا یار نبود ایزد اور یار باد
ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار داد
ہر کہ او خارے نہد در راہ ما از دشمنی
ہر گل کز باغ عمرش سگفد بے خار باد

ان اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ خدایا جو میرا دوست نہ ہو تو تو اس کا دوست رہنا خدایا جس نے مجھے تکلیف پہنچائی، اس کو بہت راحت عطا فرما، جس نے میرے راستے میں کانٹے بچھائے خدا کرے اس کے گلشن حیات میں جو پھول کھلیں بے خار رہیں اور یہ سب درحقیقت ان کے مذہب کی تعلیم اور اس پیغمبر کا عمل تھا جس پر ان کا ایمان تھا قرآن شریف میں ہے کہ نیکی اور بدی برابر نہیں تم بدی کا جواب بہت زیادہ نیکی سے دو اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس شخص کے اور تمھارے درمیان دشمنی ہے وہ تمھارا جگری دوست بن جائے گا۔

ہندوستان کی تاریخ میں ایسے واقعات کی کمی نہیں قانون قدرت ہمیشہ سے ایک ہے خدا نے جن چیزوں میں جو اثر پیدا کر دیا ہے ہزاروں لاکھوں برس سے وہ اثر چلا آ رہا ہے محبت میں اب بھی وہی تاثیر ہے، جو کام وہ کر سکتی ہے کوئی اور طاقت نہیں کر سکتی تجربہ شرط ہے تھوڑی سی ہمت، تھوڑے سے صبر اور یقین محکم کی ضرورت ہے۔

آیئے اقبال کی آواز میں ایک بار پھر پڑھیں

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

ممبئی کی
مشہور و معروف
مٹھائی ساز فرم
طہورا سوئیٹس
اسپیشل مٹھائیاں
❖ افلاطون ❖ نان خطائیاں
❖ ڈرائی فروٹ برفی
❖ قلاقند ❖ ملائی مینگو برفی
❖ بادامی حلوہ ❖ گلاب جامن
❖ دودھی حلوہ ❖ گاجر حلوہ
❖ کاجو کتلی
❖ ملائی زعفرانی پیڑہ
مستورات کے لئے خاص بتیسہ لڈو۔
و دیگر ہمہ اقسام کی مٹھائیاں دستیاب ہیں۔
لذیذ مٹھائیوں کے لئے
طہورا سوئیٹس
بلاسس روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸
۲۳۰۸۲۷۷۳_۲۳۰۹۱۳۱۸

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشنل اینڈ سوشل سروس سوسائٹی (رجسٹرڈ-17236/86)

کے زیر اہتمام

جنگ آزادی کے عظیم مجاہد، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور پہلی جلاوطن حکومت کے وزیر اعظم

پروفیسر مولانا برکت اللہ بھوپالی

کی یاد میں قائم دینی وعصری تعلیم کے اہم مراکز

- **برکت اللہ پبلک ہائر سیکنڈری اسکول**

گاندھی نگر، بھوپال، مدھیہ پردیش، انڈیا

- **برکت اللہ گرلس ہائر سیکنڈری اسکول**

سلطانیہ روڈ، سٹی ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے، بھوپال، ایم پی، (انڈیا)

- اس ادارہ میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔
- غریب اور نادار ومفلس طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔

منجانب:- حاجی محمد ہارون ایڈوکیٹ۔ (بانی وناظم اعلیٰ)

فون: 0091-755-2543466, 2642715

موبائل: 9415101318 — رہائش: 2391520

اسٹار آئی سینٹر

ڈاکٹر محمد اطہر -ایم-بی-بی-ایس (اپتھلمولوجی) . **آئی سرجن**

ٹریننگ : (۱) آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ (دہلی)

(۲) ایل-وی-پرساد (حیدرآباد)

ماہر : (۱) بناٹانکا موتیابند آپریشن (۲) کالے پانی کا علاج

(۳) پھیکو آپریشن فوڈ ایبل لینس کے ساتھ (۴) آنکھوں کے پردوں کی جانچ اور لیزر سے علاج

نوٹ: مناسب پیسوں میں علاج و آپریشن

رہائش : 3/397 ورام کھنڈ گومتی نگر لکھنؤ

سینٹر : 3/254-A ویل کھنڈ (اسکالر ہوم کے پیچھے) گومتی نگر لکھنؤ

ملنے کے اوقات: شام ۵ بجے سے ۸ بجے تک

صبح ۸ بجے سے ۹ بجے تک

پرانے چراغ

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

ایک صاحب عزیمت وحمیت عالم ومجاہد اور بلند پایہ مربی وقائد

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ہندوستان میں مقیم سادات خاندان کے ایک اہم ترین فرد تھے، انھوں نے تزکیہ وارشاد، علوم دینیہ کی خدمت اور ملت کی وطنی آزادی کے لیے جدوجہد جیسے تین اہم پہلوؤں میں بڑا نمایاں مقام حاصل کیا، وہ یوپی کے ضلع فیض آباد کے قصبہ ٹانڈہ کے رہنے والے فرد تھے اور اپنی علمی وعملی عمر کے آغاز میں مدینہ منورہ میں علوم دینیہ کی تعلیم سے اشتغال رکھتے رہے، اور پھر اپنے شیخ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور استاذ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی سے استفادہ ورفاقت کے لیے ہندوستان آگئے تھے اور دارالعلوم دیوبند میں حدیث کے استاذ اور صدر مدرس کی حیثیت سے خدمت علم دین بھی کرنے لگے اور غیر ملکی طاقتوں سے ملک کو آزاد کرانے کی جدوجہد میں بھی اپنے مرشد وشیخ کی رہنمائی میں حصہ لیا اور اس سلسلہ میں بار بار جیل کی صعوبتیں بھی برداشت کیں اور برطانوی سامراج کی زیادتیاں جھیلنے سے سابقہ پڑا لیکن ان کا پایہ ثبات اس مجاہدہ و خدمت دین وملت وآزادی وطن کی کوشش کی راہ سے نہیں ہٹ سکا، بالآخر برطانوی سامراج نے ملک کو آزادی دی لیکن ہندو مسلم ٹکراؤ اور کشت و خون اور ملک کو دو ٹکڑے کردینے کے ساتھ ملک کو چھوڑا، ہندوستان کا وسطی حصہ جو بڑے رقبہ پر مشتمل تھا، اور جہاں مسلمانوں کے اہم دینی مراکز اور خاصی آبادی بھی تھی لیکن اقلیت میں ہونے کی وجہ سے اس کو غیر مسلم علاقہ قرار دیا گیا اور نقل آبادی کی مصیبت نے ملک کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان تباہی کا سلسلہ قائم کردیا، یہ سلسلہ ہندو ہندوستانی خطہ کے مسلمانوں کے لیے بڑا صبر آزما تھا، ہندوستان کے بڑے غیر معمولی اور سخت حالات کا دور وہ دور کہا جاسکتا ہے کہ جب جنگ عظیم جو ۱۹۳۸ء سے شروع ہوئی تھی، اس کے نتیجے میں ہندوستان میں آزادی کی تحریک کو اثر ڈالنے کا موقع ملا اور برطانوی استعمار کی طرف سے ملک کو رعایتیں دینے کا آغاز ہوا، ملک میں مسلمانوں کے حالات زیادہ قابل فکر تھے، کیوں کہ ایک طرف تو انگریزوں کی تعلیم وتہذیب نے مسلمانوں کے شرفاء کو مرعوب کررکھا تھا، اور اس کے نتیجہ میں متوسط اور اعلیٰ طبقہ کے مسلمان انگریزی تہذیب وتعلیم کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے، دوسری طرف آزادی کی تحریک کے سلسلہ میں مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے تھے، ایک حصہ جو برطانوی اثر وغلبہ سے متاثر اور مرعوب تھا، اس نے اپنا اصل حریف ہندوؤں کو سمجھا تھا اور برطانوی غلبہ کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا، یہ رنگ اور رجحان سارے جدید تعلیم والے طبقے میں تھا، اور دوسرا گروہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر انگریزوں سے گلوخلاصی حاصل کرنے کی فکر رکھنے والا تھا، اور اس میں علماء دین عام طور پر سربراہی کررہے تھے، ادھر برطانوی اقتدار کا رویہ وقتی طور پر مسلمانوں کو زیادہ موقع دینے کا نہیں تھا، اور وہ شاید مسلمانوں کو اپنا اصل حریف تصور کرتے تھے، لیکن مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی برطانوی تہذیب وتعلیم کے معاملہ میں نرم رویہ ظاہر میں ایسے مسلمانوں کی ہمدردی کا تھا، اس طریقہ سے علماء اور اہل دین کو دو طرف سے ٹکراؤ کی صورت حال سے گزرنا پڑرہا تھا، ایک تو انگریزی غلبہ وسطوت کے مقابلہ میں اور دوسرے مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے مقابلے میں،

ہندو اور مسلمانوں کے درمیان جو تناؤ تھا اس میں ایک طرف تو مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے ہندو اکثریت سے علاحدہ رویہ اختیار کرنے کی تحریک تھی، جو علماء دین کی ہندو اکثریت کے ساتھ مل کر آزادی کی کوشش کرنے کو مطعون کررہا تھا، پھر اسی کے ساتھ ساتھ عامۃ المسلمین میں جو بے حسی اور دین کے تقاضوں سے غفلت پیدا ہوگئی تھی، اس کے ازالہ کی فکر علماء کو کرنی تھی، ایسی حالت میں ہندوستان کی تقسیم عمل میں آئی اور ایک ملک کے دو ملک ہندوستان اور پاکستان بن گئے، اور اقتدار کی تقسیم کے موقع پر ہندو مسلم کشمکش کو بہت قوی بنادیا، اور کشت وخون کا ایک بازار گرم ہوگیا، جس کا زخ پاکستان سے ہندوؤں کے انخلا اور ہندوستان سے مسلمانوں کے انخلا کی طرف پورے طریقے سے ہوگیا، ہمارے علمائے کرام کے اصل مراکز اور ان کی کوششوں کا میدان سب سے زیادہ ہندوستانی حصے میں تھا، اس لحاظ سے ان کے لئے مشکلات بھی بہت پیش آرہی تھیں، اور ان کی ذمہ داری بھی بہت بڑھی ہوئی تھی، اس وقت مغربی یوپی کا یہ علاقہ جو مظفرنگر اور سہارن پور پر مشتمل ہے اور

دہلی کے اطراف کی حیثیت رکھتا ہے دینی تعلیم اور دینی کوششوں کا بڑا اور بنیادی مرکز تھا اور وہاں کے شیوخ پر سب کی نظریں تھیں خصوصیت سے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند، اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری جو رائے پور کے مرکز تزکیہ و احسان کے سربراہ تھے، خصوصی اہمیت اور اثر پذیری کے حامل تھے۔ ان میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اپنی بڑی سیاسی اہمیت بھی رکھتے تھے اور ان کی قائدانہ ومجاہدانہ خصوصیت کی بنا پر حکومت بھی انھیں اہمیت دیتی تھی، اور یہ حضرات بھی ان کی رائے اور مشورہ کو اہمیت دیتے تھے۔

ان حضرات نے اس وقت کے سنگین حالات اور نہایت پیچیدہ اور خطرناک اور اندیشہ ناک صورت حال کے تدارک کے لئے غیر معمولی توجہ کا ثبوت دیا۔ اور مغربی ہندوستان کے علاقے یکے بعد دیگرے مسلمانوں سے خالی ہوتے جارہے تھے، اس سلسلہ کو سہارن پور جو کہ یوپی کا مغربی سرحدی ضلع ہے کو ایک طریقہ سے دیوار بنادیا، کہ مسلمانوں کا تخلیہ اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اس کے لئے حکومت وقت پر جو زور ڈال سکتے تھے اور مسلمانوں کو جو پرزور طریقے سے متوجہ کرسکتے تھے، اس کی پوری کوشش کی اور ان حضرات کے اثرات اور لوگوں پر ان کی بات کی اہمیت ایسی تھی کہ ان کی توجہ دہانی کو لوگوں نے مانا اور وہ سلسلۂ قتل وانخلا رک گیا۔ اور اس طریقہ سے مغربی یوپی سے ہندوستان کے تمام مشرقی حصوں میں مسلمانوں کے باقی رہنے کی صورت پیدا ہوگئی، یہ ایک بہت بڑا کارنامہ تھا، جسے ہندوستانی تاریخ میں بھلایا نہیں جاسکتا، اور تقسیم ہند کے بعد ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کی حفاظت اور بقاء کے لئے ان علماء کی اکثریت کا جنھوں نے جنگ آزادی کے لئے ہندو مسلم مشترک جدوجہد میں نمایاں بلکہ اولین اور بڑا حصہ لیا تھا، ان کا اخلاقی دباؤ بھی اثر انداز ہوا، اور انھوں نے ببانگ دہل اکثریت سے مطالبہ کیا کہ جنگ آزادی میں مسلمانوں کی طرف سے نمایاں شرکت کے بعد حصول آزادی کے ثمرات سے مسلمانوں کو کیسے محروم کیا جاسکتا ہے، اور پاکستانی حصہ میں ان کے نہ منتقل ہونے کو کس طرح جرم قرار دیا جاسکتا ہے، وہ سب جنگ آزادی میں ہندوؤں کے ساتھ نمایاں طریقہ سے شریک تھے، اور ان کے ساتھ مشترک ہندوستان کے حامی تھے، تو ہندوستان کو دونوں کے اشتراک سے کیسے الگ رکھا جاسکتا ہے اور الحمدللہ ان لوگوں کی کوششیں بارآور ہوئیں اور ہندوستان میں مسلمانوں کے بقاء کو اور وطنی طور پر برابری کو تسلیم کیا گیا، اس کے نتیجہ میں بار بار فرقہ پرستوں کی طرف سے اس اشتراک اور برابری کی پرتشدد مخالفت سے مسلمان اس ملک میں نہ صرف یہ کہ باقی رہے بلکہ باعزت طریقہ سے شریک وطن ہیں۔ اس میں ہمارے ان مجاہد علماء جن کے سرخیل شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی ہی تھے۔ اور ان کے رفقاء جنگ آزادی میں خاص طور پر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کا نام نمایاں ہے۔

مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو اگر جنگ آزادی میں ان کی ہندو اکثریت میں ساتھ تعاون اور جدوجہد کے پس منظر سے ہٹ کر دیکھا جائے، تو وہ ہندوستان کے عظیم عالم دین اور مرشد تھے۔ ان کے تزکیہ باطن اور تربیت اہل دین کی صف کی وجہ سے سب اہل دین کے نزدیک مستند اور تسلیم شدہ تھے بلکہ دیگر علماء ومرشدین ان کو دیگر علماء مرشدین پر بھی بڑی حد تک فوقیت دیتے تھے، اور اس میدان میں ان کی فکرمندی اور سرپرستی سے ہزاروں مسترشدین نے بڑا فائدہ اُٹھایا۔ خاص طور پر مشرقی ہندوستان کے آسام کے علاقہ میں انہی کے ارشاد وتزکیہ کا اصل چرچا تھا۔ اور دارالعلوم دیوبند جو علوم دینیہ کی تعلیم کا ایشیا کا بڑا اور معتبر ترین ادارہ ہے وہاں شیخ الحدیث ہونے کے تعلق سے اُن کا فن حدیث کی تعلیم میں بڑا پایہ سمجھا جاتا تھا اور ان کی شاگردی فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔

حضرت مولانا کی شہرت اور ان کی عظمت کا عمومی اعتراف ہونے کے باوجود مولانا میں تواضع اور زہد اور خدمتِ خلق کی بھی بڑی نمایاں صفت تھی، اور انھوں نے دین اور آزادی امت کی راہ میں بڑے مجاہدے کئے تھے، تحریک آزادی اور تزکیۂ باطن دونوں میں ان کے شیخ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی تھے۔ مولانا نے ان کی حیات میں ان کی پوری وفاداری کے ساتھ ان کی راہ پر چلنے پر پوری وفاشعاری کا ثبوت دیا تھا اور پھر ان کے طریقہ کو بعد میں جاری رکھا اور جس اخلاص کے ساتھ انھوں نے دین اور فلاح امت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کی اس کا اعتراف ان کے سب واقف کار کرتے رہے۔ اور ان سے مل کر اور ان کو دیکھ کر ان کی اعلیٰ دینی صفات کا اظہار ہوتا تھا اور ان میں ایک کشش معلوم ہوتی تھی۔ ملت کے لئے ان کی قربانیوں اور دین کے لئے ان کے مجاہدوں کا سب نتیجہ معلوم دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کی برکت اس ملک میں تادیر قائم رکھے۔

حضرت مولانا کی بڑی خصوصیت اتباع سنت کی تھی وہ زندگی کے سارے پہلوؤں میں سنت کی پوری پیروی کرنے کی پابندی کرتے تھے، لوگوں سے معاملات میں خانگی زندگی میں مہمانوں کی خاطر تواضع میں اور حق بات کے لئے متحرک

ہوجانے اور سینہ سپر ہوجانے میں اور اپنے کو مادی فوائد سے بے نیازی اختیار کرنے میں بڑے ممتاز نظر آتے تھے۔ انھوں نے آزادی کے لئے بڑی قربانیاں دیں اور تکلیفیں اُٹھائیں۔ لیکن آزادی کے بعد آزادی کے ثمرات سے کچھ بھی فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کی بلکہ ان کی آزادی کی کوششوں کے اعزاز میں حکومت نے ان کو حوصلہ دینا چاہا اس سے بھی انھوں نے معذرت کردی اور آزادی کے ثمرات سے کچھ بھی لینا گوارہ نہیں کیا اور تعلیم حدیث اور تزکیہ وتربیت کے اپنے کاموں کے لئے اپنے کو منقطع کرلیا۔ طہارت باطنی میں ان کا جو امتیاز تھا، اس سے ملنے والا غیر شعوری طور پر محسوس کرتا تھا، اور ان کے علم اور ان کے ارشاد سے فائدہ اُٹھانا عزت وشرف اور فخر کی بات سمجھی جاتی تھی جو ان کی وفات کے بعد بھی ان کے مسترشدین اور ان کے تلامذہ کی زبانوں سے برابر ظاہر ہوتا رہا۔ حضرت مولانا اپنے سیاسی یا ملی کاموں کے سلسلہ میں جو مختلف شہروں میں جو دورے کرتے ان میں اس بات کی احتیاط رکھتے کہ پاکیزہ آمدنی والے اپنے اہل تعلق ہی کے یہاں ٹھہریں، ان میں لکھنؤ آمد کے موقع پر ہمارے ماموں مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب جو ان کے مسترشد بھی تھے اور حضرت مولانا کی نظر میں معتبر بھی تھے، مہمان ہوا کرتے تھے۔ اس بہانہ راقم الحروف کو بھی اپنی ابتدائی زندگی میں حضرت مولانا کو دیکھنے، سننے اور خدمت کرنے کی سعادت ملتی تھی اور جو باتیں اوپر عرض کی گئیں اسی تجربہ اور مشاہدوں کا ہی نتیجہ ہیں اور لکھنؤ کے علاوہ دارالعلوم دیوبند میں بھی بحیثیت طالب علم کے ایک سال قیام کا موقع ملا تھا جس کی وجہ سے مولانا کو ان کے گھر پر اور ان کی جگہ پر دیکھنے اور جاننے کی سعادت ملی تھی اور ان کی شفقت کے حصول کا شرف حاصل ہوا تھا۔

(بشکریہ: م۔ ح۔ ح)

نامور مصری ادیب شوقی ضیف کے سانحۂ ارتحال سے ہندوستان کی عربی فضا سوگوار

رابطہ ادب اسلامی کے جلسے میں ان کے ادبی، تنقیدی وتحقیقی کارناموں کی قدرشناسی

عربی زبان کے بلند پایہ ادیب، نقاد، بسیار نویس مصنف، قاہرہ یونیورسٹی کے سابق صدر شعبہ عربی، مصر کی عظیم الشان قومی اکیڈمی (مجمع اللغة العربية) کے ڈائرکٹر اور شاہ فیصل عالمی ادبی انعام سے سرفراز ۹۵ سالہ پروفیسر ڈاکٹر شوقی ضیف کے انتقال پر ملال (مؤرخہ ۱۰ر مارچ ۲۰۰۵ء) سے جدید ادب عربی کی تاریخی روانی میں ایک خلا اور عجیب توقف سا محسوس ہونے لگا ہے، تاہم ان کے کارنامے عربی زبان وادب کے اساتذہ وطلبہ کے لیے ہمیشہ چراغ راہ رہیں گے۔ یہ تھے وہ الفاظ جن سے رابطہ ادب اسلامی ہند کے صدر پروفیسر سید محمد اجتبا، ندوی نے شوقی ضیف سے متعلق ادبی وتعزیتی جلسے کا افتتاح کیا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے شعبۂ عربی کے سابق صدر پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی نے اپنے مقالے میں مرحوم مصنف کی ۵۷ کتابوں کا تذکرہ کیا، اور دس کتابوں پر خصوصیت سے روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ پروفیسر ڈاکٹر شوقی ضیف صحیح معنوں میں معاصر عربی ادب کے میر کارواں تھے۔ ان کی مشہور کتاب "الأدب العربي المعاصر في مصر" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر شمس کمال انجم کے قلم سے ابھی دو چار ہفتے پہلے ہی دہلی سے شائع ہوکر عام اردو داں طبقے اور عربی زبان وادب کے اساتذہ وطلبہ میں مقبول ہونا شروع ہی ہوا تھا کہ اس کے مصنف اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ضرورت ہے کہ ان کی دیگر اہم تصانیف کے بھی اردو اور دوسری ہندوستانی زبانوں میں تراجم شائع کیے جائیں۔

عربی شاعری کے اصناف اور رجحانات پر شوقی کی مشہور کتاب "الفن و مذاهبة في الشعر العربي" نثری اصناف اور ان کے ادبی رجحانات پر "الفن و مذاهبة في الشعر العربي" مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی غنائی شاعری پر مشتمل "دراسات في الشعر العربي المعاصر" امیرالشعراء شوقی کی شاعرانہ عظمت پر "شوقي شاعر العصر الحديث" اندلس کی عربی شاعری اور خصوصاً ابن زیدون کی شاعری پر تحقیقی اور تنقیدی مباحث پر مشتمل "ابن زيدون: الشاعر الاندلسي" اسلام سے پہلے کی ادبی سرگرمیوں کے موضوع پر "تاريخ الأدب العربي في العصر الجاهلي" اور ادبی تنقید کے اصول پر "في النقد الأدبي" جیسی اہم کتابوں پر ان کے مصنف ڈاکٹر شوقی ضیف کی کامیاب کدوکاوش اور مہارت زبان وبیان پر جامعہ ملیہ، دہلی یونیورسٹی اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے جن دیگر اساتذہ اور اسکالرس نے شریک مباحثہ ہوکر اظہار خیالات کیے ان میں ڈاکٹر نسیم اختر ندوی، ڈاکٹر عبدالماجد قاضی، ڈاکٹر محمد اسحاق، ڈاکٹر شفیع احمد ہاشم، ڈاکٹر محمد اکرم اور جناب سرفراز احمد کے نام قابل ذکر ہیں۔ آخر میں مرحوم کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لیے بارگاہ الٰہی میں دعا کی گئی۔

(ڈاکٹر شفیق احمد خاں ندوی)

دستاویز

ہندوستان کا نصاب درس اور اس کے تغیرات

حضرت مولانا حکیم سید عبدالحئی

افسوس ہے کہ ہندوستان کی علمی تاریخ نہایت تاریکی میں ہے ہم صحیح طور پر اس بات کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ وقتاً فوقتاً نصاب درس میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ تاریخ سے اسی قدر سراغ ملتا ہے کہ اس سرزمین میں فاتحان ہند کے ساتھ ساتھ علم آیا تھا اور جو تبدیلیاں عراق ماوراء النہر میں وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی تھیں، اس کا اثر یہاں کے نصاب پر بھی پڑتا تھا۔

سب سے پہلے سندھ اور ملتان کے ریگستانوں میں علم کے ذرے چمکے اور ان کی جگمگاہٹ اتنی بڑھتی گئی کہ رفتہ رفتہ سارے ہندوستان میں ان کی روشنی پھیل گئی اور جب ملوک غزنویہ نے لاہور کو ہندوستان کا دارالسلطنت قرار دیا تو اس شہر نے سب سے پہلے اس روشنی سے فائدہ اٹھایا۔

جب دہلی فتح ہوئی تو بادشاہوں کی قدر دانی سے علماء باکمال ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر دہلی آنے لگے اور ایسے جلیل القدر علماء دہلی میں مجتمع ہو گئے جن کا شہرہ سن کر دور دور سے لوگ آتے اور فیضیاب ہوتے تھے۔

غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں شمس الدین خوارزمی، شمس الدین قوشجی، برہان الدین بلخی، برہان الدین بزاز، نجم الدین دمشقی، کمال الدین زاہد وغیرہ جیسے بیسیوں صاحب کمال تھے جن کے علم و فضل سے دہلی کا کوچہ کوچہ قرطبہ اور بغداد کا نمونہ بن رہا تھا۔

علاء الدین خلجی کے زمانہ میں ظہیر الدین بھکری، فرید الدین شافعی، حمید الدین مخلص، شمس الدین یحیٰی، محی الدین کاشانی، فخر الدین ہانسوی، وجیہ الدین رازی، تاج الدین مقدم وغیرہ ۴۶ علماء ایسے پایہ کے تھے جن کی نسبت ضیاء برنی جیسے مشہور مؤرخ کا خیال یہ ہے کہ دنیا میں ان کا جواب نہیں تھا۔

محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں معین الدین عمرانی، قاضی عبد المقتدر، مولانا خواجگی شیخ احمد تھانیسری جیسے باکمال علماء تھے جن کے دامن تربیت میں پرورش پاکر شہاب الدین دولت آبادی ملک العلماء بن کر نکلے اور ایک دنیا کی نگاہیں ان کی طرف اٹھنے لگیں۔

فیروز شاہ کے عہد میں جلال الدین رومی تشریف لائے اور شاہی مدرسہ میں پرنسپل کی خدمات ان کے سپرد کی گئیں، نجم الدین سمرقندی بھی اسی زمانہ میں دہلی آئے اور اپنے فضل و کمال سے لوگوں کو مالامال کرتے رہے۔

سکندر لودھی کے زمانہ میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ نامور عالم ملتان سے آئے، اور انھوں نے منطق و حکمت کا معیار بڑھا کر نصاب میں نمایاں زور پیدا کر دیا۔

اکبر کے زمانے میں شاہ فتح اللہ شیرازی نے آکر عضد الملک کے خطاب سے عزت پائی اور تمام ملک میں ان کی دھوم مچ گئی اسی زمانے میں حکیم شمس الدین اور ان کے بھانجے حکیم علی گیلانی کی وجہ سے طب کو فروغ ہوا اور شیخ عبدالحق نے حدیث کو رواج دیا۔

شاہ جہاں اور عالم گیر کے عہد حکومت میں میر زاہد کا ستارۂ اقبال چمکا اور ان کی موشگافیوں نے تاج فضیلت میں چار چاند لگا دئے گویا درس نظامیہ کی بنیاد، انھیں کے پرزور ہاتھوں کی ڈالی ہوئی ہے انھیں کے سلسلۂ تلمذ میں قاضی مبارک اور شاہ ولی اللہ صاحب کا مشہور خاندان تھا جس میں جناب شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، مولوی عبدالحی، شاہ محمد اسمٰعیل، مولوی محمد اسحاق، مولوی رشید الدین خاں، مفتی صدر الدین خاں، مولوی مملوک العلی وغیرہ جیسے نامور علماء اور مدرسین پیدا ہوئے۔

لاہور میں علم کا نشو و نما دہلی سے پہلے ہوا تھا، مگر دہلی کی ترقی نے اس کو چند روز کے لئے دبا دیا تھا، آخر پھر اس نے سنبھالا لیا اور جمال الدین تلہ، کمال الدین کشمیری، مفتی عبدالسلام، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی وغیرہ مشاہیر کی وجہ سے ایک مدت تک علم کا چرچا رہا، اور ان سے ہزاروں طلباء فیضیاب ہوئے۔

جونپور میں سلاطین شرقیہ کی قدر دانی سے شیخ ابو الفتح، شہاب الدین دولت آبادی، مولانا الحداد، محمد افضل، استاد الملک ملا محمود صاحب شمس بازغہ دیوان عبدالرشید، مفتی عبدالباقی، ملا نور الدین جیسے باکمال علماء وقتاً فوقتاً ہوتے رہے اور ان کا سلسلۂ تلمذ تمام ہندوستان میں پھیل گیا۔

گجرات میں شیخ محمد طاہر فتنی صاحب مجمع البحار شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی ملا نور الدین وغیرہ نے علم کی آبیاری کی اسی زمانے میں قاضی ضیاء الدین باشندۂ نیوتنی نے گجرات جا کر شیخ وجیہ

الدین کے دامن تربیت میں پرورش پائی اور اپنے اہل وطن کے لئے یہ تحفہ لائے ان سے شیخ جمال نے فائدہ اٹھایا ان سے ملا لطف اللہ نے علم حاصل کیا، ان کے شاگردوں میں ملا جیون صاحب نور الانوار ملا علی اصغر، ملا محمد امان قاضی علیم اللہ بہت زیادہ نامور ہوئے اور ہر ایک صاحب سلسلہ اور صاحب درس ہو گیا۔

الہ آباد میں شیخ محب اللہ، قاضی محمد آصف، شیخ محمد افضل، شاہ خوب اللہ، شیخ محمد طاہر، حاجی محمد فاخر زائر، مولوی برکت، مولوی جار اللہ اور دیگر باکمال علماء نے ایک مدت تک سلسلہ درس و تدریس کو گرم رکھا اور تقریباً ایک سو برس تک خوب چہل پہل رہی۔

لکھنؤ میں سب سے پہلے شیخ اعظم اس تخمہ کو جونپور سے لائے اس کے بعد شاہ پیر محمد نے بزم افادہ گرم کی اور ان کے شاگرد ملا غلام نقشبند نے اس کو خوب رونق دی اسی زمانے میں شیخ قطب الدین سہالوی کا بھی چرچا پھیلا ہوا تھا، جو عبدالسلام دیوی اور محب اللہ الہ آبادی کے سلسلے میں ایک نامور عالم تھے، شیخ قطب الدین کی شہادت کے بعد ان کے نامور فرزند ملا نظام الدین نے علم کے دریا بہائے لکھنؤ کو علم کا مرکز بنا دیا اور جو نصاب مقرر کیا اس کو ہندوستان کی ہر ایک درسگاہ میں بسر و چشم قبول کیا گیا، اسی خاندان میں ملا حسن، بحر العلوم ملا مبین، مفتی ظہور اللہ، مولوی ولی اللہ، مفتی محمد اصغر، مفتی محمد یوسف، مولوی نعیم اللہ، مولوی نور اللہ، مولوی عبدالحکیم، مولوی عبدالحلیم، مولوی عبدالحئی وغیرہ ایسے ایسے باکمال مدرسین پیدا ہوئے جن کا جواب کسی خاندان میں نہیں مل سکتا۔

اس خاندان کے تلامذہ نے بھی ہندوستان کے ہر ایک گوشہ میں پھیل کر علم کے پھیلانے میں کوتاہی نہیں کی قطب الدین شمس آبادی، قطب الدین گوپاموی، محب اللہ بہاری، امان اللہ بنارسی ہولوی کمال الدین، مولوی برکت، مولوی حمد اللہ، مولوی یاد اللہ، مولوی فضل امام، مولوی فضل حق، اور ان کے چشم و چراغ مولوی عبدالحق وغیرہ سب اسی خرمن کمال کے خوشہ چیں تھے۔

اودھ کے ایک ایک قریہ میں علم کا چرچہ پھیلا ہوا تھا، اور مشکل سے کوئی بدنصیب مقام ایسا ہوگا جس میں علم کی شعاعیں نہیں پہنچیں سب سے زیادہ مشہور اور نامور مقامات یہ تھے، جائس، امیٹھی، ہرگام، نیوتنی، گوپامئو، بلگرام، سندیلہ، کاکوری وغیرہ ان مقامات سے اس قدر کثرت کے ساتھ علماء پیدا ہوئے جن کی نظیر دوسرے ملکوں میں بمشکل مل سکتی ہے، مگر اب ہر طرف سناٹا ہے۔

اک زمانہ تھا کہ ہم سے موافق روزگار
اہل علم و فضل و دانش کا نہ تھا ہم میں شمار
ایسے حاصل خیز دنیا میں نہ ہوں گے کشت زار
جیسے مردم خیز تھے اسلام کے شہر و دیار
ہوتا تھا کامل تو کامل تر نظر آتا تھا یاں
سورج آتا تھا نظر گر چاند چھپ جاتا تھا یاں
یا یہ اب پہونچی ہے ہم میں نوبت قحط الرجال
ایک اٹھ جاتا ہے دنیا سے اگر صاحب کمال
دوسرا ملتا نہیں دنیا میں پھر اس کے مثال
شامت اعمال سے ہم پر یہ سارا ہے وبال
ظاہرا اب وقت آخر ہے ہماری قوم کا
مرثیہ ہے ایک کا اور نوحہ ساری قوم کا

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سہولت کے لحاظ سے نصاب درس کے چار دور قائم کریں اور جو جو کتابیں ہر دور میں مروج تھیں ان کی تفصیل جہاں تک تاریخ سے سیر سے مشائخ کے طبقات سے شعراء کے تذکروں سے اور مکتوبات و ملفوظات سے مل سکتی ہیں، یکجا کر دیں دیکھنے کو تو یہ ایک ذرا سا کام ہوگا، مگر مختلف کتابوں کے ہزار ہا صفحے الٹنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں جو ناظرین کے سامنے آج پیش کرتے ہیں۔

دور اول

اس کا آغاز ساتویں صدی ہجری سے سمجھنا چاہئے اور انجام دسویں صدی پر اس وقت ہوا جب کہ دوسرا دور شروع ہو گیا تھا کم و بیش دو سو برس تک مندرجہ ذیل فنون کی تحصیل معیار فضیلت سمجھی جاتی تھی صرف، نحو، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام تصوف، تفسیر، حدیث۔

نحو۔ مصباح، کافیہ، لب الالباب مصنفہ قاضی ناصر الدین بیضاوی (چند دنوں کے بعد ارشاد مصنفہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی)

فقہ میں۔ ہدایہ

اصول فقہ میں۔ منار اور اس کے شروح اور اصول بزدوی

تفسیر میں۔ مدارک، بیضاوی، کشاف

تصوف میں۔ عوارف اور فصوص (اور ایک زمانہ کے بعد نقد النصوص و لمعات بھی ان مدارس میں رائج ہو گئیں جو خانقاہوں سے متعلق تھے)

حدیث میں۔ مشارق الانوار، اور مصابیح السنۃ (یعنی مشکوٰۃ المصابیح کا متن)

ادب میں۔ مقامات حریری زبانی یاد کی جاتی تھی، حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے استاد شمس الدین خوارزمی سے (جو کہ بعد کو شمس الملک ہو گئے) مقامات حریری پڑھی تھی اور اس کے چالیس مقامات زبانی یاد کئے تھے۔

منطق میں۔ شرح شمسیہ

فن کلام میں۔ شرح صحائف اور بعض بعض مقامات پر تمہید ابو شکور سالمی اس طبقہ کے علماء کرام کے حالات تلاش کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا ہمارے زمانہ میں منطق وفلسفہ، معیار فضیلت ہے ویسا ہی اس زمانہ میں فقہ اور اصول فقہ معیار فضیلت تھا۔ حدیث میں صرف مشارق الانوار کا پڑھ لینا کافی سمجھا جاتا تھا، اور جس خوش نصیب کو مصابیح ہاتھ آجاتی تھی وہ امام الدنیا فی الحدیث کے لقب کا مستحق ہو جاتا تھا۔

حدیث کے ساتھ جو بے اعتنائی اس زمانہ میں تھی اس کا کسی قدر اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک بار غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لئے مجلس مناظرہ منعقد ہوئی، ایک طرف شیخ نظام الدین اولیاء تھے دوسری جانب کل علمائے دہلی تھے، شیخ فرماتے ہیں کہ میں جب کوئی حدیث پیش کرتا تھا وہ لوگ بڑی جرأت اور بیباکی سے کہتے تھے کہ اس شہر میں حدیث پر فقہی روایت مقدم سمجھی جاتی ہے کبھی کہتے تھے کہ یہ حدیث شافعی کی متمسک ہے، اور وہ ہمارے علماء کا دشمن تھا، ہم ایسی حدیثیں سننا نہیں چاہتے، شیخ فرماتے ہیں کہ جس شہر کے علماء میں اتنا مکابرہ اور عناد ہو وہ کیوں کر آباد رہ سکتا ہے وہ تو اس قابل ہے کہ بالکل برباد ہو جائے۔

علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں مولانا شمس الدین ترک ایک مصری محدث ملتان تک آکر واپس ہو گئے مگر ایک رسالہ لکھ کر بادشاہ کو بھیج دیا اس میں اس بات پر بادشاہ کو غیرت دلائی تھی کہ ہندوستان میں حدیث کی طرف مولویوں کو کچھ اعتنا، نہیں ہے، دنیا دار مولویوں نے یہ رسالہ بھی بادشاہ تک نہیں پہنچنے دیا۔ اس قصہ کو قاضی ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

دور دوم

نویں صدی ہجری کے آخر میں شیخ عبد اللہ اور شیخ عزیز اللہ ملتان سے آئے، شیخ عبد اللہ دہلی میں شیخ عزیز اللہ سنبھل میں فروکش ہوئے۔ سکندر لودھی نے نہایت کشادہ دلی سے ان کا خیر مقدم کیا، یہاں تک کہ بادشاہ خود ان کے حلقۂ درس میں آکر شریک ہوتا تھا اور اس خیال سے کہ اس کے آنے سے سلسلۂ درس برہم نہ ہو جائے مسجد کے کسی گوشہ میں بیٹھ کر ان کی تقریر سے محظوظ ہوتا رہتا تھا، اور بعد فراغت کے شیخ عبد اللہ کی خدمت میں جا کر ملاقات کرتا تھا۔

کچھ ان دونوں کے فضل وکمال اور کچھ بادشاہ کی قدر دانی سے بہت جلد ان کی علمی شہرت تمام ہندوستان میں پھیل گئی، انھوں نے معیار فضیلت کو کسی قدر بلند کرنے کے لئے قاضی عضد کی تصانیف مطالع ومواقف اور سکاکی کی مفتاح العلوم سلسلۂ درس میں داخل کیں اور بہت جلد یہ کتابیں متداول ہو گئیں۔

ملا عبد القادر بدایونی منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں" واز جملہ علمائے کبار در زمان سلطان سکندر شیخ عبد اللہ تلبنی در دہلی وشیخ عزیز اللہ تلبنی در سنبھل بودند وایں ہر دو عیزی ہنگام خرابی ملتان ہندوستان آمدہ علم معقول را دراں دیار رواج دادند وقبل ازیں بغیر از شرح شمسیہ وشرح صحائف از علم منطق وکلام در ہند شائع نبود۔"

اسی دور میں میر سید شریف کے تلامذہ نے شرح مطالع اور شرح مواقف کو رواج دیا اور تفتازانی کے شاگردوں نے مطول ومختصر کی بنیاد ڈالی اور تلویح وشرح عقائد نسفی کو رواج دیا۔

اسی زمانہ میں شرح وقایہ اور شرح ملا جامی بھی رفتہ رفتہ داخل نصاب ہو گئیں۔

اسی دور کے سب سے آخر مگر سب سے زیادہ نامور عالم شیخ عبد الحق محدث ہندوستان سے عرب تشریف لے گئے اور تین برس رہ کر علمائے حرمین محترمین سے حدیث کی تکمیل کی اور اس تحفہ کو اپنے ساتھ لائے اور انھوں نے اور ان کی نامور اولاد نے ہمیشہ اس کی اشاعت کی کوشش کی مگر افسوس ہے کہ اس کو قبولیت عام حاصل نہیں ہوئی یہ شرف زمانۂ مابعد میں جناب شاہ ولی اللہ کے واسطے رکھا گیا تھا، جو ان کو حاصل ہو گیا۔

اس طبقہ کے علمائے کرام کے حالات دریافت کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا ہمارے زمانے میں صدر اور شمس بازغہ مفتاحانہ کتابیں سمجھی جاتی ہیں، اسی طرح اس زمانے میں مفتاح العلوم سکاکی اور قاضی عضد کے مطالع مواقف مفتاحانہ کتابیں سمجھی جاتی تھیں، شیخ عبد القادر نے منتخب التواریخ میں جا بجا اس کا اشارہ کیا ہے، مفتی جمال خاں کے حال میں لکھا ہے، برشرحین مفتاح محاکمہ کردہ عضدی را کہ کتاب مفتاحیہ است می گویند کہ چہل مرتبہ از اول تا آخر درس گفتہ" (جلد سوم منتخب التواریخ) شیخ حاتم کے حال میں لکھا ہے کہ میگفتند کہ بچہل مرتبہ شرح، مفتاح ومطول را از باء بسم اللہ تا تاء تمت درس گفتہ و بریں قیاس سائر کتب مفتاحیہ۔"

دور سوم

نصاب درس میں جو تغیر دور دوم میں ہوا تھا، اس سے لوگوں کی امنگیں بڑھ گئی تھیں اور وہ معیار فضیلت کو اس سے بھی زیادہ بلند کرنے کے متمنی ہو گئے تھے، اسی وجہ سے شاہ فتح اللہ شیرازی کے آتے ہی درسگاہوں میں نئی قسم کی چہل پہل نظر آنے لگی دربار اکبری نے ان کو عضد الملک کا خطاب دے کر اپنی قدر دانی کا ثبوت دیا اور علماء نے نصاب درس کے اس اضافہ کو فوراً منظور کر لیا، جس کو شاہ فتح اللہ شیرازی نے پیش کیا تھا۔

مآثر الکرام میں میر غلام علی آزاد نے مندرجہ ذیل عبارت میں اس کا اعتراف کیا ہے، تصانیف علمائے متاخرین ولایت مثل محقق دوانی و میر صدر الدین ومیر غیاث الدین، منصور ومرزا جان میر بہ ہندوستان آوردو در حلقہ درس انداخت وجم غیر از حاشیہ محفل استفادہ کردند واز اں عہد معقولات رارواجی دیگر پیدا شد۔"

مگر یہ نہایت بے انصافی ہوگی اگر ہم شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کو اس موقع پر بھول جائیں، یہ بزرگ محقق دانی کے بیک واسطہ شاگرد تھے اور سب سے پہلے متاخرین کی تصنیفات کو انھوں نے رواج دیا اور اس چشمہ فیض سے صرف گجرات ہی سیراب نہیں ہوا بلکہ اس کی چھینٹیں وسط ہند تک پہونچیں۔ قاضی ضیاء الدین نیوتنی کے باشندے تھے، وہ گجرات سے یہ تحفہ لے کر آئے اور شیخ جمال نے ان سے حاصل کر کے دور دور تک پھیلایا، ملا لطف اللہ، شیخ جمال کے ممتاز شاگرد تھے۔ ان سے ملا جیون صاحب نور الانوار ملا علی اصغر، قاضی علیم اللہ، ملا محمد زماں وغیرہ نے حاصل کیا، جن میں کا ہر ایک صاحب سلسلہ اور صاحب درس تھا۔ یہ تو ہوا مگر اس درس کو قبولیت عام اس وقت حاصل ہوئی جب شاہ فتح اللہ شیرازی نے اس کو رواج دیا، اور ان کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد ہندوستان بھر میں پھیل گئے اس لحاظ سے میر آزاد کا لکھنا بھی صحیح ہے۔

مفتی عبد السلام، شاہ فتح اللہ کے جلیل القدر شاگرد تھے، انھوں نے چالیس سال تک لاہور میں بیٹھ کر درس دیا اور ہزاروں کو فائدہ پہونچایا مگر ہزاروں میں ایک ہی دو ایسے ہوتے ہیں جن کو ناموری اور بقائے دوام کے دربار سے سند ملتی ہے، دیوہ کے مفتی عبد السلام اور الہ آباد کے شیخ محب اللہ انھیں خوش نصیبوں میں تھے جو لاہور سے پڑھ کر آئے اور اپنے لئے سند فضیلت علاحدہ قائم کر دی، شیخ قطب الدین سہالوی انھیں دونوں کے بیک واسطہ شاگرد ہیں جو ملا نظام الدین بانی درس نظامیہ کے پدر بزرگوار تھے۔

شاہ ولی اللہ التوفی ۱۱۷۶ھ نے (جو اس دور کے سب سے آخر مگر سب سے زیادہ نامور عالم تھے) الجز، اللطیف میں اپنی خواندگی یوں ظاہر فرمائی ہے۔

نحو میں۔ کافیہ، شرح جامی
منطق میں۔ شرح شمسیہ، شرح مطالع
فلسفہ میں۔ شرح ہدایۃ الحکمۃ
کلام میں۔ شرح عقائد نسفی، معہ حاشیہ خیالی، شرح مواقف
فقہ میں۔ شرح وقایہ، ہدایہ (کامل)
اصول فقہ۔ میں حسامی اور کسی قدر توضیح تلویح،
بلاغت میں مختصر، مطول
ہیئات وحساب میں۔ بعض رسائل مختصر، طب میں موجز القانون
حدیث میں۔ مشکوۃ المصابیح کل، شمائل ترمذی کل، کسی قدر صحیح بخاری
تفسیر میں۔ مدارک، بیضاوی
تصوف وسلوک میں۔ عوارف و رسائل نقشبندیہ، شرح رباعیات، جامی مقدمہ شرح لمعات، مقدمہ نقد النصوص

اس قدر پڑھنے کے بعد شاہ صاحب عرب گئے اور وہاں کئی برس رہ کر شیخ ابو طاہر مدنی سے فن حدیث کی تکمیل فرمائی اور ہندوستان کے لیے یہ تحفہ لے کر آئے اور ایسی سرگرمی سے اس کی اشاعت فرمائی کہ باوجود کساد بازاری کے اب تک اس کا اثر باقی ہے درحقیقت صحاح ستہ کے درس و تدریس کا ہندوستان میں رواج اسی وقت سے ہوا جب کہ شاہ صاحب اور ان کے نامور اخلاف نے اس کو رواج دیا اور اپنی اپنی عمر عزیز کا بیش بہا حصہ اس کی اشاعت میں صرف کر دیا۔

شاہ صاحب نے اپنی طرز کا ایک جدید نصاب بنایا تھا مگر چونکہ اس زمانے میں علم کا مرکز ثقل دہلی سے لکھنؤ کو منتقل ہو چکا تھا اور تمام درسگاہوں میں منطق وحکمت کی چاشنی سے لوگوں کے کام ودہن آشنا ہو رہے تھے اس نصاب کو قبولیت حاصل نہیں ہوئی اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کے نامور بیٹوں نے زمانے کی روش سے مجبور ہو کر اس کو رواج دینے کی کوشش بھی نہیں کی۔

دور چہارم

چوتھا دور بارہویں صدی ہجری میں قائم ہوا اور ملا نظام الدین نے ایسے پرزور ہاتھوں سے اس کی بنیاد رکھی کہ اب تک باوجود امتداد زمانہ کے اس میں کا ایک شوشہ بھی کم نہیں کیا گیا، ملا نظام الدین جناب شاہ ولی اللہؒ کے معاصر تھے، لہٰذا ان کے زمانے میں وہی کتابیں رائج تھیں جو شاہ صاحب کے نصاب درس میں تھیں، ان پر ملا صاحب نے حسب ذیل ترمیم فرمائی۔

منطق میں۔ بجائے شرح مطالع کے سلم العلوم میر زاہد رسالہ، میر زاہد، ملا جلال
فلسفہ میں۔ شمس بازغہ پڑھایا۔
کلام میں۔ میر زاہد، شرح مواقف۔
اصول میں۔ بجائے حسامی کے نور الانوار، مسلم الثبوت (مبادی کلامیہ)
تفسیر میں۔ بجائے مدارک کے جلالین اس نصاب کی ترمیم واضافے کے بعد مندرجہ ذیل شکل قائم ہوئی۔
صرف میں۔ میزان منشعب، صرف میر، پنج گنج، زبدہ، فصول اکبری، شافیہ۔
نحو میں۔ نحو میر، شرح مأتہ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی۔

منطق میں۔ صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، تہذیب شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی سلم العلوم۔

حکمت میں۔ میبذی، صدرا، شمس بازغہ۔

ریاضی میں۔ خلاصۃ الحساب، تحریر اقلیدس، مقالہ اولیٰ، تشریح افلاک رسالہ قوشجیہ، شرح چغمینی باب اول۔

بلاغت میں۔ مختصر معانی، مطولا، اناقلت۔

فقہ میں۔ شرح وقایہ اولین، ہدایہ اخیرین۔

اصول فقہ میں۔ نورالانوار، توضیح تلویح، مسلم الثبوت (مبادی کلامیہ)

کلام میں۔ شرح عقائد نسفی، شرح عقائد جلالی، میرزاہد، شرح مواقف۔

تفسیر میں۔ جلالین، بیضاوی۔

حدیث میں۔ مشکوٰۃ المصابیح۔

اس نصاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں امعان نظر اور قوت مطالعہ کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ طلباء میں (بشرطیکہ تحقیق کے ساتھ پڑھا ہو) قوت مطالعہ دقت نظر احتمال آفرینی اور قوت قریحہ پیدا ہو جاتی ہے، کسی فن میں طالب علم کو بالفعل کمال حاصل نہیں ہوتا مگر وہ اپنے شوق اور جانفشانی سے جس علم میں چاہے کمال پیدا کر سکتا ہے۔

میں نے تحقیق کے ساتھ پڑھنے کی قید اس واسطے لگائی ہے کہ اب طریقہ تعلیم بگڑ گیا ہے، ملا نظام الدینؒ کا طریقہ درس یہ تھا کہ وہ کتابی خصوصیتوں کا چنداں لحاظ نہیں کرتے تھے بلکہ کتاب کو ایک ذریعہ قرار دے کر اصل فن کی تعلیم دیتے تھے، اسی طرز تعلیم نے ملا کمال الدین بحر العلوم رحمہ اللہ جیسے اہل کمال پیدا کیے تھے۔

☆☆☆☆☆

مدینہ طیبہ سے رخصتی پر اظہار افسوس

از مخدومہ لمۃ اللہ تسلیم صاحبہ

مدینہ کی مبارک سر زمیں چھوڑ دوں کیسے
دیارِ حضرتِ اقدس سے منہ موڑ لوں کیسے

بتا تو ہم سفر کیسے قدم اُٹھیں مدینہ سے
مدینہ سے چلوں کیوں کر، مدینہ چھوڑ دوں کیسے

محبت کی جو نسبت ہوگئی قائم مدینہ سے
کہو اس رشتۂ اُلفت کو ایک دَم توڑ دوں کیسے

کہاں ایسی زمیں ہوگی، کہاں یہ آسماں ہوگا
کہاں ایسے مناظر ہوں گے، ان کو چھوڑ دوں کیسے

کہاں باب النساء باب مجیدی کے مقدّس در
حریمِ خاص کے جلوے، بتاؤ چھوڑ دوں کیسے

اذانیں پانچوں میناروں کی سُن کر وجد آتا ہے
مرے اللہ یہ پُر لطف منظر چھوڑ دوں کیسے

یہاں کے چپّہ چپّہ پر خدا کی رحمتیں نازل
نظارے ایسے دلکش اور مناظر دلفریب ایسے

دلِ زخمی پہ اب ایک اور تازہ زخم لگتا ہے
درِ اقدس پہ حاضر ہو کے منھ کو موڑ لوں کیسے

دلِ بیتاب کو تھامے ہوئے چلتی تو ہوں لیکن
دوائے دردِ دل، خاکِ مدینہ چھوڑ دوں کیسے

درِ حضرتؐ پہ حسرت سے نگاہیں پڑ رہی ہیں اب
یہی رہ رہ کے آتا ہے یہ منظر چھوڑ دوں کیسے

اجازت آپ سے لے لوں، سلام رخصتی لے لوں
دیارِ میزباں کو بے اجازت چھوڑ دوں کیسے

یہ ہے تسنیم کی خواہش، کہ کچھ دن اور تو رہتی
مدینہ طیّبہ کو اتنی جلدی چھوڑ دوں کیسے

شہادت حق

قرآن حکیم - غیر مسلموں کی نظر میں

معجزانہ کتاب:

''قرآن بلاشبہ عربی زبان کی سب سے بہتر اور دنیا کی سب سے مستند کتاب ہے کسی انسان کا علم ایسی معجزانہ کتاب لکھنے سے قاصر ہے۔ یہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑھا ہوا معجزہ ہے۔ ایک امی ناخواندہ محض کس طرح بے عیب اور لاثانی تحریر رقم کر سکتا ہے۔'' (جارج سیل)

اختلاف معنوی ولفظی سے مبرا:

''قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے، جس میں تیرہ سو برس سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہودی اور عیسائی مذہب میں کوئی ایسی چیز نہیں جو معمولی طور سے بھی قرآن کے مقابلے میں پیش کی جا سکے۔'' (عیسائی مورخ مسٹر باڈلے)

اعلیٰ اخلاق کا معلم:

''قرآن نے دنیا کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی اور اصول جہاں بانی سکھائے'' (گائیڈنس آف ہولی قرآن از ''ڈاکٹر شنلے لین پول'')

فطرت انسانی کے عین مطابق

''میں نے تعلیمات قرآنی کا مطالعہ کیا ہے، مجھے قرآن کو الہامی تسلیم کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہے۔ مجھے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ نظر آئی کہ یہ فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔'' (ینگ انڈیا ''مہاتما گاندھی'')

مسلمہ صداقتوں کا پرتو:

''وہ وقت دور نہیں جبکہ قرآن کریم اپنی مسلمہ صداقتوں اور روحانی کرشموں سے سب کو اپنے اندر جذب کر لے گا۔ وہ زمانہ بھی دور نہیں جب کہ اسلام ہندو مذہب پر غالب آجائے گا اور ہندوستان میں ایک ہی مذہب ہوگا۔'' (ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور)

مستقبل کی دنیا کا مذہب:

''قرآن شریف غیر مسلموں سے بے تعصبی اور رواداری سکھاتا ہے، اس کے اصول کی پیروی سے دنیا خوش حال ہو سکتی ہے اور دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا۔'' (لندن میں تقریر از ''مسز سروجنی نائیڈو'')

اسلام کی قوت اور طاقت:

''اسلام کی قوت وطاقت قرآن میں ہے۔ قرآن قانون اساسی ہے اور حقوق کی دستاویز ہے'' (مسٹر جی۔ ڈی۔ ماریل)

امن وامان کا ضامن:

''زمین سے اگر قرآن کی حکومت جاتی رہے تو دنیا کا امن وامان کبھی قائم نہیں رہ سکے گا۔'' (اخبار فگارو مین ''موسیو کاسٹن کارنے'')

عظیم اور حسین:

''اگر ہم قرآن کی عظمت وفضیلت اور حسن وخوبی سے انکار کریں تو گویا ہم عقل ودانش سے بیگانہ ہوں گے۔'' (نیر ایسٹ لندن اخبار کا خاص نمبر)

یورپ کے لئے نور:

''قرآن شریف اس بات کا مستحق ہے کہ یورپ کے گوشے گوشے میں اسے پھیلایا جائے۔'' (سر ایڈورڈ ڈینی راس سی۔ آئی۔ ای)

زندہ جاوید تعلیمات:

''تیرہ سو برس کے بعد بھی قرآن کی تعلیمات کا اثر یہ ہے کہ ایک خاکروب بھی مسلمان ہونے کے بعد بڑے بڑے خاندانی مسلمانوں کی برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔'' (بھوپندر ناتھ باسو)

مہذب مذہب:

''اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں انھوں نے قرآن مجید کی تعلیم کو نہیں سمجھا کہ جس کے اثر سے عربوں کی کایا پلٹ گئی۔'' (فرانسیسی مصنف موسیو میر)

کلیدی مضمون

قرآن کریم کی بے حرمتی

اور طاقت کا نشہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

نوٹ :۔ قرآن کریم کی بے حرمتی کے مذموم واقعہ کے معا بعد ہی حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء کا عربی زبان میں درج ذیل فکر انگیز مضمون ضبط تحریر میں آگیا تھا لیکن ترجمہ کرنے والوں نے اس میں دانستہ یا نادانستہ طور پر تساہل اور لاپروائی سے کام لیا اور نتیجہ میں افسوس کہ یہ مضمون تعمیر حیات کی چند اشاعتوں کے منظر عام پر آجانے کے بعد قارئین کی نذر کیا جارہا ہے۔

اس موضوع پر ساری دنیا کے اسلام پسند اور انسانیت دوست اہل قلم نے خامہ فرسائی کی ہے لیکن زیر نظر مضمون اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں واضح طور سے یہ بات نمایاں کی گئی ہے کہ امریکہ کی یہ کتنی بڑی نادانی اور ناعاقبت اندیشی ہے کہ اس نے اللہ کی اس آخری اور سچی بات کی توہین کی جس کتاب میں خود عیسائیت و یہودیت کا بھی تذکرہ ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے ذکر خیر سے کتاب اللہ مزین ہے۔ یہی ایک موٹی سی بات انہیں ناپاک حرکت یعنی اہانت قرآن سے روکنے کے لئے کافی تھی جب کہ اسلام دشمنی میں ان کی عقلوں پر پردے پڑ گئے اور اپنے انجام سے بے خبر ہو کر طاقت کے نشہ میں وہ حرکت بھی کر گزرے جو اللہ کے غضب کو بھڑکانے والی ہے۔

مولانائے موصوف نے اسلام دشمنی کی لہر میں شدت سے قبل عیسائی رویہ کی سلامت روی اور اوصاف کا بھی ذکر کیا ہے اور موجودہ ابتر صورت حال پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

گزشتہ دنوں اپنی شدت علالت کے باعث راقم الحروف مجبور تھا کہ دوسروں پر تکیہ کرتا لیکن تجربہ نے ثابت کردکھایا کہ انسانوں پر نہیں صرف اور صرف خدا کی ذات پر کیا جاتا ہے اور ہر کام کے تئیں اپنے طور پر اطمینان کر لینا چاہئے چنانچہ اہانت قرآن سے متعلق حضرت ناظم صاحب کے اس فکر انگیز و بصیرت افروز مضمون کی اشاعت سے متعلق بھی تلخ تجربہ ہوا اور مضمون کی دوبارہ اشاعت کی نوبت آرہی ہے۔

میں شکر گزار ہوں جناب قیصر حسین صاحب ندوی مدنی کا جنہوں نے میری درخواست پر اسے اردو قالب میں ڈھال کر اردو خواں طبقہ کو بھی اس فکری مضمون کے مطالعہ اور اس سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا۔

(امین شجاع)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب عظیم میں مسیحیت کے قدیم متبعین کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:۔

''ایمان والوں کے ساتھ سب سے بڑھ کر دشمنی رکھنے والے آپ ﷺ یہود و مشرکین ہی کو پائیں گے اور آپ ایمان والوں کے ساتھ دوستی میں سب سے زیادہ قریب انھیں پائیں گے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں یہ اس لئے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور اس لئے کہ یہ تکبر نہیں کرتے'' (المائدہ:۸۲)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کہ اس مسیحی دین کے ماننے والے دلوں کی نرمی و خودداری، انسانی احساسات وجذبات، بھائی چارہ وغم خواری، شرافت واخلاق اور فاضلانہ انسانی صفات نیز محبت وتعلق میں دوسرے منکرین اسلام سے کہیں زیادہ بڑھے ہوئے ہیں، اس کی روشن دلیل اور عینی ثبوت شہنشاہ حبشہ کا عہد رسالت میں ان بے گھر، مظلوم اور بے سہارا مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک ومعاملہ ہے جنھوں نے ملک حبشہ میں پناہ لی تھی۔

اسی طرح قیصر روم نے حضور اکرم ﷺ کے دعوتی خطوط کے ساتھ اچھا معاملہ کیا تھا، خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں انھوں نے قدس کو رضامندی وسلامتی کے ساتھ خلیفۃ المسلمین کے حوالہ کر دیا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ ان مسیحیوں کے حسن اخلاق، بہتر معاملات اور انسانی ہمدردی کے دیگر بہت سے واقعات اور مختلف حالات ہیں جن کی بدولت وہ لوگ حلقہ بگوش اسلام تو نہیں ہوئے لیکن مسلمانوں کے ساتھ انھوں نے انسانی ہمدردی کا معاملہ کیا۔

مسلمانوں نے بھی ان کے ساتھ اس سے زیادہ ہمدردانہ اور خیر خواہانہ سلوک کیا۔ یہاں تک کہ خونریز جنگ میں بھی مسلمانوں نے اپنے مغلوبین اور مفتوحین کے ساتھ نہایت شریفانہ وعادلانہ معاملہ کیا جو ان کے اور مسیحیوں کے مابین حکومتی اختلاف کے دوران ہوئی تھی۔

اسی طرح سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے بھی ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کیا جس وقت انھوں نے مسلمانوں کے قبلہ اول بیت المقدس کو نوے سال کے غاصبانہ مسیحی قبضہ سے آزاد کرایا تھا۔

اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے آیت مذکورہ کی وجہ سے ان کے تئیں ہمیشہ اپنے دلوں میں اکرام واحترام کا جذبہ رکھا، اسلام کی لمبی تاریخ اس قسم کی بے شمار مثالوں سے بھری پڑی ہے، حتی کہ حسن سلوک اور ہمدردانہ جذبہ کی مثالیں ان جنگوں میں بھی ملتی ہیں جو فریقین کے مابین ہوئیں حالانکہ جنگ نام ہے سفاکی، خونریزی اور حد سے زیادہ ظلم وزیادتی اور بربریت کا، انصاف پسند مسیحی دانشوروں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنے مغلوبین اور مفتوحین امراء وقائدین کے ساتھ صلیبی جنگ کے موقع پر بہتر سے بہتر سلوک کیا۔ خود مسیحی رحمدلانہ جذبہ اور امن وآشتی اور رویہ کی تعلیمات کے مدعی ہیں اور اسے مسیحیت کی عملی ودینی بنیاد بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی تمہارے ایک رخسار پر طمانچہ مارے تو تم اس سے انتقام لینے کے بجائے اپنا دوسرا رخسار پیش کردو۔

لیکن عہد رسالت اور خلفاء راشدین کے عہد کے بعد مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں نے اپنے رویہ اور طرز عمل میں مثلاً اپنے ان معاملات واخلاق اور سلوک میں تبدیلی عمل میں لائی جن کی بنیاد پر قرآن نے ان کی تعریف کی تھی جب کہ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ نفرت وعداوت، بغض وحسد، مکر وفریب، مکاری وعیاری کا طرز عمل اپنایا اور اس سلسلہ میں مشرکین اور یہود سے جا ملے جیسا کہ قرآن کریم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

حالانکہ یہود ونصاریٰ اپنی دونوں مقدس کتابوں (توریت وانجیل) کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کے دلائل وبراہین سے اور اس بات سے کہ دین اسلام دین حق ہے جس کا اختیار کرنا ہر انسان کے لئے لازمی اور ضروری ہے اور عیسیٰ علیہ السلام نے خود اپنے بعد ان کے آنے کی بشارت دی ہے اس امر سے اچھی طرح وہ واقف ہو چکے تھے۔

مگر نسلی عصبیت نے یہودیوں کو نبی کریم ﷺ کی نبوت کے اعتراف سے روک دیا، اور اس معاملہ میں سب سے حیرت انگیز اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ عیسائیوں نے بھی اسلام ومسلم دشمنی میں یہودیوں کی روش اور نقش قدم کی پیروی کی۔

ہم نے مشاہدہ کیا کہ اخیر کی صدیوں میں عیسائی ویہودی محققین، اسلام کے اسکالرس اور مسلمانوں کی خوبیوں اور اچھائیوں کو بگاڑ کر پیش کرنے میں سرگرم ہو گئے اور سیرت رسول، سیرت خلفائے راشدین کے واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں اپنی کوششیں صرف کرنے لگے اور ان سے غلط وگمراہ کن نتائج کا استنباط کرنے لگے۔

اس سے زیادہ افسوس ناک والمناک بات یہ ہوئی کہ اسلام ومسلمانوں کی دینی ومعاشرتی لحاظ سے کمزور وابتر صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے اسلام اور تاریخ وتعلیمات اسلامی سے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے اور اس کے صحیح حقائق سے دور کرنے کا بیڑہ اٹھالیا اور اس طرح کے نصاب کو انھوں نے اپنی یونیورسٹیوں، تعلیمی وتربیتی مراکز اور دانش گاہوں کے نصاب میں داخل کر دیا، جس کے نتیجہ میں ایسی نسلیں تیار ہوئیں جن کے ذہن ودماغ مغربی تہذیب کے دلدادہ اساتذہ کی اسلامی تعلیمات وتربیت کے سلسلہ میں شکوک وشبہات کے گھیرے میں آگئے۔

افسوس کہ مغرب نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسلامی ملکوں میں ان افکار کی نشر واشاعت میں حکومتی سطح پر بھرپور حصہ لیا، نیز ان حکومتوں نے اسلامی ملکوں میں مسلمانوں کی اسلامی طاقت وقوت کو ختم کرنے کے لئے دوسرے اقدامات بھی کئے حتی کہ ان ملکوں میں اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے گولیاں بھی چلائیں اور تباہی وبربادی کا ناپاک ومذموم کھیل بھی کھیلا ادا کیا اور افسوسناک بات یہ ہے کہ مغرب کے سیاسی قائدین اور لیڈران نے وہاں کے گرجا گھروں کے دینی قائدین ورہنماؤں کو ان کی سیاسی واجتماعی زندگی سے جلاوطن کر کے ان کو اور ان کی تمام سرگرمیوں کو گرجا گھر کی چہار دیواری میں محصور کر دیا اور نتیجہ میں ان دینی قائدین ورہنماؤں نے سیاسی قائدین، عیسائی پڑھے لکھے طبقہ اور برسر اقتدار لیڈران کے اسلام سے متعلق معاندانہ رویہ پر خاموشی اختیار کر لی۔ عیسائی ارباب حل وعقد، محققین اور دانشوروں کی جرأت وجسارت اور دریدہ دہنی اس حد تک بڑھ گئی کہ وہ اسلام کے شعائر ومقامات مقدسہ کے ساتھ بے حرمتی اور اہانت آمیز معاملہ کرنے لگے جیسا کہ پچھلے دنوں انھوں نے اللہ کی آخری اور سچی کتاب قرآن کریم کے ساتھ ناپاک اور قابل مذمت حرکت کی۔

پوری دنیا کے مسلمانوں نے قرآن کی بے حرمتی اور اہانت پر زبردست احتجاج ومظاہرہ کیا لیکن افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں کے اس زبردست احتجاج ومظاہرہ سے عیسائی سیاسی قائدین کے سروں پر جوں تک نہیں رینگی۔ حالانکہ قرآن ایک ایسی آسمانی کتاب ہے جس میں سیدنا عیسیٰ وموسیٰ اور بنی اسرائیل اور ان کے کارناموں کا ذکر تحسین وتوصیف کے ساتھ ہے، دین مسیح کا تذکرہ بہترین لفظوں میں ہے۔ اور یہ کتاب قرآن کے ساتھ توریت وانجیل کا بھی ذکر کرتی ہے تو بظاہر اس توہین آمیز سلوک سے صرف قرآن ہی کی توہین نہیں ہوئی، بلکہ اس

سے توریت وانجیل دونوں مقدس کتابوں کی توہین ہوئی، کیوں کہ یہ وہ آسمانی کتابیں ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔

بلاشبہ صحیح یہودیت اور صحیح عیسائیت اس طرح ناپاک ظالمانہ جرأت کبھی نہیں کرسکتی کیونکہ یہ جرأت نہ صرف اسلام اور قرآن پاک ہی کی اہانت کی ہے بلکہ اس میں توریت وانجیل اور دونوں آسمانی دین، یہودیت اور عیسائیت کی بھی توہین ہے۔

مذکورہ بالا باتوں سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ نصرانی ویہود ایک طرف تو اسلام سے دشمنی وعداوت رکھتے ہیں اور دوسری جانب اللہ کے نبی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے نعوذ باللہ بغض وعناد اور حسد بھی رکھتے ہیں مسلمان تو انھیں ان انبیائے کرام میں شمار کرتے ہیں جن کا اکرام واحترام، جن کی نبوت اور اس عصر پر جس میں یہ مبعوث کئے گئے ایمان لانا ایمان کے واجبات میں سے سمجھتے ہیں۔

آج مسلمان خود ان مسیحیوں کے مقابلہ میں دین مسیح کا زیادہ اکرام واحترام کرنے والے سمجھے جاتے ہیں جس کے ماننے والے اگرچہ اپنی اس سابقہ اور اصل حالت سے منحرف ہوچکے ہیں جن کی اصل تعلیمات کی بدولت ان میں انسانی شفقت ومحبت امن وآشتی کا جذبہ اور خیر کے اوصاف پائے جاتے تھے جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے لیکن آج عیسائی جن کی نمائندگی امریکہ کے قائدین کررہے ہیں وہ خود اپنے طرز عمل سے مسیحی اقدار واخلاق، فضائل وشرافت کو زیادہ پامال کررہے ہیں، بہرحال مسلمانوں سے دشمنی اور اسلامی ملکوں کو ظلم وزیادتی، سفاکی وبربریت کا نشانہ بنانا، ان کی قوتوں کو منتشر کرنا ان کا شیوہ بن گیا ہے جن کی قیادت وسیادت امریکہ کررہا ہے اور پوری سفاکیت وبربریت اور ناعاقبت اندیشی وسطحیت کے ساتھ یہ ظلم وزیادتی کررہا ہے لیکن امریکہ کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان سب سے امریکہ کو کوئی فائدہ پہنچنے والا نہیں ہے بلکہ یہ ساری باتیں دنیا کے تمام مسلمانوں کے دلوں میں ناراضگی، نفرت اور عداوت کے ایسے نقوش چھوڑ دے گی جو تاریخ کا حصہ بن کر رہ جائیں گے، موجودہ دور میں مسلمان اس زیادتی کے خلاف جو احتجاج ومظاہرے کررہے ہیں، وہ ان کا دینی حق ہے۔

الله هوالمستعان وعليه التكلان ولاحول ولا قوة الا بالله .

(ترجمانی: جناب قیصر حسین ندوی)

معذرت

شدت علالت کی وجہ سے اس شمارہ کو رئیس التحریر کی کما حقہ توجہ حاصل نہیں ہوسکی جس کی وجہ سے ہم معذرت خواہ ہیں۔

قرآن سے استفادہ کے موانع

قرآن سے استفادہ اور ہدایت کے موانع کو قرآن نے کفار کی محرومی کے تذکرہ کے ساتھ ذکر کیا ہے، قرآن سے فائدہ اٹھانے، اور اس کے روحانی واعتقادی انقلاب واصلاح کے راستہ میں یہ اخلاق واعتقادات سخت مزاحم ہیں، کفار کے علاوہ اگر مسلمانوں میں بھی یہ موانع پائے جائیں گے تو قرآن مجید سے فائدہ اٹھانے میں حارج ہوں گے۔

۱۔ تکبر

☆ انبیاء کرام کی تعلیم کے برکات ونتائج اور ان کی پیروی کی سعادت سے محرومی کا بڑا سبب اکثر تکبر، جھوٹی عزت نفس اور خودداری کا جاہلی جذبہ ہوتا ہے، کبھی یہ انکار اور استکبار براہ راست قبول حق سے ہوتا ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے اپنے جاہ واقتدار سے دست بردار ہونا پڑتا ہے، جاہلی عادات ورسوم چھوڑنے پڑتے ہیں، بہت سے فوائد سے ہاتھ اٹھانا پڑتا ہے، آزادی اور خودسری کی زندگی کے بجائے پابندی اور قانون کی زندگی گزارنی پڑتی ہے، بہت سے لوگوں پر یہ انقلاب حال بہت شاق گزرتا ہے اور ان کا تکبر قرآن کے انکار پر ان کو آمادہ کرتا ہے۔

☆ کبھی پیغمبر کی ظاہری حالت اور غربت کو دیکھ کر وہ اس کے پیغام اور تعلیم سے انکار واستکبار کرتے ہیں، اور اس کی پیروی میں اپنی اہانت محسوس کرتے ہیں۔

کبھی محض بشریت ان کے لئے عذر بن جاتی ہے۔ کبھی رسول کے پیروؤں کی معاشی پستی، ان کے پیشوں کی حقارت، ان کی کم نسبی کا وہ عذر کرتے ہیں، اور جماعت میں شرکت کے لئے اسی کو مانع بنالیتے ہیں۔

☆ کبھی یہ رکاوٹ اس بنا پر ہوتی ہے کہ ان لوگوں نے اپنی دنیاوی اقبال مندی، اور قسمت کی یاوری کی وجہ سے یہ فرض کرلیا ہوتا ہے کہ دنیا میں ہر اچھی چیز کے مستحق ہم ہیں، اور وہ چیز خیر ہی نہیں ہے جو پہلے ہم کو نہ ملے۔

☆ یہی اسباب ہیں جن کی بناء پر بستی کے آسودہ حال اور فارغ البال لوگ انبیاء کی تکذیب اور ان کی دعوت کی مخالفت میں سب سے پیش قدمی اور تیز دستی کرتے ہیں۔

بہرحال تکبر خواہ اس کی وجہ کچھ ہو، اور اسکے مظاہر کتنے ہی مختلف ہوں، قرآن مجید سے مکمل فائدہ اٹھانے میں سخت مزاحم ہوتا ہے، قرآن مجید کی تعلیم قبول کرنے میں، اس کو اپنے نفس پر جاری کرنے میں، اور اس کو اپنی زندگی کے معاملات میں حکم بنانے کے لئے اور انبیاءؑ کی رہنمائی قبول کرنے کے لئے تواضع، تسلیم ورضا اور ایثار شرط ہے۔☆☆☆☆☆

ماخوذ از: ''مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی''

فکر ونظر

کشتیٔ امن ظلم کے منجدھار میں

☆ تحریر: مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی

موجودہ دنیا کے حالات کا تجزیہ پیش کرنے والے ارباب قلم کے مضامین ومقالات اور میڈیا کے ذریعہ اکثر وبیشتر یہ بات نظر نواز ہوتی رہتی ہے کہ اس وقت ذرائع ابلاغ کی بدولت پوری دنیا ایک چھوٹے سے گاؤں میں تبدیل ہوگئی ہے۔

میڈیا کے بحر بے کراں میں چینلس کا غیر معمولی کردار قابل توجہ ہے جس کے ذریعہ ہر ہر منٹ کی خبریں اور تصویریں پلک جھپکتے ہی دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ جاتی ہیں۔ انٹرنیٹ کی اہمیت بھی ناقابل انکار ہے کیونکہ یہ اپنے دامن میں معلومات کا ایک خزانہ رکھتا ہے جو سمندر کی موجوں کی طرح ابلتا رہتا ہے جو کچھ کسر رہ گئی تھی اس کو موبائیل نے پورا کردیا۔ آج اس کی ترقی اور افادیت کا عالم یہ ہے کہ سارے ذرائع ابلاغ کی تمام خصوصیات اس میں سمٹ آئی ہیں چنانچہ یہ تمام وسائل وسہولیات جس کو بھی حاصل ہوں اس کے لئے دنیا کے احوال وکوائف سے روشناس ہونا نہایت ہی آسان ہوگیا ہے اور اس کی سہولت کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اپنے کمرے میں بیٹھ کر کھیل کود سے لے کر ٹرینوں، جہازوں کے اوقات اور رزرویشن کو بچشم خود دیکھ کر معلوم کرسکتا ہے بلکہ پورے عالم میں پیش آنے والے مسائل اور سیاسی حالات وہنگامہ آرائیوں سے واقفیت حاصل کرنے میں اس کے لئے کوئی دشواری باقی نہیں رہ گئی ہے۔

تقریباً نصف صدی پہلے صحافت کے وسائل پورے طور پر ہر خطے میں مہیا نہیں تھے اور زمان ومکان کے اعتبار سے اس کا دائرہ بھی بہت محدود تھا۔ جب کہ آگہی اور جانکاری حاصل کرنے کا تنہا یہی ایک ذریعہ تھا۔ طباعت کے وسائل بھی عام نہیں تھے ہزاروں ایسے مخطوطے تھے جو طباعت کے لئے بے قرار تھے اور اب تو صورت حال یکسر مختلف ہے۔ طباعت واشاعت کے وسائل کی بہتات نے پہلے کی بنسبت اب مسئلہ کو بہت آسان کردیا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کتابوں کا ایک سیلاب ہے جو امنڈا چلا آرہا ہے۔ کتابوں کے جمع کرنے کے تعلق سے لوگوں کی توجہ اور شغف قابل رشک ہے وسائل طباعت کی فراوانی ہی کا نتیجہ ہے کہ شخصی کتب خانے اور لائبریریاں بڑی کثرت کے ساتھ وجود میں آرہی ہیں اور یہ عمل تمدن وثقافت کا معیار تصور کیا جاتا ہے۔ معرفت وآگہی کی موجودہ لہروں نے پورے عالم کو ایک گاؤں کے سانچے میں ڈھال دیا ہے اور اسی کی جلوہ سامانیاں ہیں کہ بغیر تعلیم کے بھی ہر انسان مثقف ومہذب بنتا جارہا ہے بلکہ انہی وسائل کی کرشمہ سازیوں کے نتیجہ میں کسی بھی دور دراز خطے کے باشندوں کے بارے میں جانکاری حاصل کرنے کا معاملہ اب کسی کے لئے مشکل ودشوار نہیں رہا دائرہ اس حد تک سمٹ گیا ہے کہ ہر شخص کے لئے دوسرے ماحول کے ساتھ ہم آہنگی وہم پیوستگی کے ساتھ سانس لینے کے پورے مواقع اس طور پر میسر ہیں گویا وہ اسی ماحول ومعاشرہ کا ایک فرد ہے اور وہ ایسے متمدن شہر میں زندگی گذار رہا ہے جہاں طاقت وشوکت کی کارفرمائی ہے اور مختلف عناصر واجناس کے لوگ آپس میں احترام ومفاہمت کی خوشگوار فضا میں سانس لے رہے ہیں، جہاں زبان وکلچر، عقیدہ وعبادت کے تمام فروق وامتیازات مٹ جاتے ہیں اس طرح کی معاشرت کا مشاہدہ کارخانوں، فیکٹریوں، مدارس ومکاتب اور سینما گھروں میں بخوبی کیا جاسکتا ہے یہ وہ مقامات ہیں جہاں لوگ موجودہ وسائل سے مستفید ہونے کی خاطر باوجود اختلاف رنگ ونسل کے دوش بدوش اکٹھا ہوتے ہیں اور اپنے مقصود کی تشکیل بجھاتے ہیں ماضی میں انسانی سوسائٹیوں کی اس طرح کی صورت حال اس وقت تھی جب ایک دوسرے سے قریب ہونے کے وسائل وذرائع بہت محدود تھے مگر اس دور کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ارتباط وتعلق کی روح کی کارفرمائی تھی اسی روح اخذ وعطا اور علم ومعرفت سے استفادہ وتجربہ کی بنیاد پر مختلف نوع کی تہذیبیں وجود میں آئیں۔

موجودہ ذرائع ابلاغ کے اکتشاف کا مثبت وتعمیری اقتضا تو یہ تھا کہ ان کے ذریعہ تعلق ومفاہمت کا خوشگوار سایہ دراز ہوتا اور پوری دنیائی الواقع ایک طاقتور اور آپس میں محبت وپریم کی قندیل روشن کرنے والے خاندان کی شکل میں بدل جاتی، جہاں محبت وتعاون ہمدردی وغمگساری کی روح کی جلوہ طرازیاں آنکھوں کو خیرہ کررہی ہوتیں۔

سرور کونین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے آئینہ میں کہ حکمت بندۂ مومن کی گمشدہ دولت ہے یہ دولت اسے جہاں بھی ہاتھ لگ جائے اس کا سب سے زیادہ حق دار بندۂ

مومن ہے یہ روح پوری قوت کے ساتھ جاری و ساری ہے اور یہ ایک کھلی ہوئی روشن حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دور عظمت و سیادت میں فرمان رسالت کے اس قول کو شرمندۂ تعبیر کیا اور حکمت کو برت کر دکھایا۔ اس بات سے بھلا کے انکار ہے کہ اس میدان میں دیگر قوموں کے مقابلہ میں مسلمانوں نے سب سے زیادہ فراخ دلی اور سیر چشمی کا مظاہرہ کیا۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں جبکہ مختلف کلچرس آپس میں شیر و شکر ہو رہے تھے مسلمانوں نے اخذ و استفادہ کے میدانوں کو وا کیا اسی پر بس نہیں بلکہ جب انھوں نے تہذیب و تمدن کی دنیا میں غیروں پر فوقیت و برتری حاصل کی تو تہذیبی نوازش اور عطاء کے میدان کو دوسروں کے سامنے وا کرنے سے گریز نہیں کیا بلکہ کسی امتیاز و تفریق اور تعصب و تخریب کا شکار ہوئے بغیر دوسری قوموں کو اپنی تہذیب کی شیرینی و حلاوت سے شاد کام کیا اور کوئی بھی ان کے اس جود و سخا کے بحر بیکراں سے محروم نہیں رہا اسی کا نتیجہ تھا کہ نفرت و عداوت کی آگ کو ہوا دیئے بغیر دنیا کے اندر مسلمانوں کی تہذیب کا پرچم لہرانے لگا، فکر اور تعبیر کی آزادی ہمیشہ مسلمانوں کا سرمایہ ناز رہا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ غیر مسلموں کو اس فیض سے حصہ وافر ملا۔ اسی فکری آزادی ہی کا نتیجہ تھا کہ غیر مسلم مترجمین اور ادب و فلسفہ کے ناقلین کی ایک تعداد تاریخ کے صفحات میں ہم کو نظر آتی ہے جن کو بغیر کسی تفریق کے بحث و تحقیق اور نقل علوم اور تہذیب کے دامن کو مالا مال کرنے کے پورے پورے مواقع مہیا کئے گئے اور اس طور پر مختلف عناصر کے اشتراک سے قرطبہ قاہرہ بغداد اور دمشق میں اسلامی تہذیب نے نشو و نما پایا اور پروان چڑھی۔ یہاں تک کہ اس تہذیب کی کرنوں نے پورے عالم کو جگمگاہٹ سے بھر دیا اور اتحاد و یگانگت، تعاون و ہمدردی اس تہذیب کے شہپر تھے۔

اسلام و مسلمانوں کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ ان کی قدیم تاریخ میں تہذیبوں کی آویزش اور ٹکراؤ کی کوئی چنگاری دور دور تک نظر نہیں آتی اس کا بنیادی راز یہ ہے کہ مسلمان کبھی بھی کسی دیگر تہذیب و تمدن کے متعلق تنگ نظری کا شکار نہیں ہوئے اور نہ ہی اپنی تہذیب و کلچر کے متعلق ان کے اندر احساس کمتری نے کروٹ لی کیونکہ ان کا یہ تصور تھا کہ بہتر اور نفع بخش چیز سدا باقی رہتی ہے اور جھاگ زندگی کی بہاروں سے محروم رہتا ہے اسی حقیقت کو خالق ارض و سما نے بڑے دلکش پیرائے میں یوں بیان کیا ہے کہ اسی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا پھر نالے اپنی سمائی کے موافق چلنے لگے پھر وہ سیلاب خس و خاشاک کو بہالایا اور جن چیزوں کو آگ کے اندر زیور و اسباب بنانے کی غرض سے تپائے ہیں۔ اس میں بھی ایسا ہی جھاگ ہے اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثال اسی طرح بیان کر رہا ہے سو جھاگ تو رائیگاں جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کے لئے کارآمد ہے تو وہ زمین پر رہ جاتی ہے۔

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جس کو اپنی فکر کی درستگی اور اپنے نظام حیات پر اعتماد کامل ہوتا ہے وہ کسی رنج و خوف کا شکار نہیں ہوتا بلکہ وہ نہایت ہی اطمینان چین و سکون کی زندگی بسر کرتا ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک ایسا بائع جو بہتر سے بہتر تر سامان رکھتا ہے اس کو کبھی اس کا خدشہ لاحق نہیں ہوتا کہ اس کی دکان نہیں چلے گی یا کسٹمر منہ پھیر لیں گے اس کے بالمقابل ایک دوسرا بائع جو کھوٹا سامان رکھتا ہو وہ ہمیشہ قلق و بے چینی کے سمندر میں پیچ و تاب کھاتا رہتا ہے، ہر آن ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں اس کے کھوٹے پن کا راز طشت از بام نہ ہو جائے۔

بلاشبہ یورپ کا موقف اپنی تہذیب کے ساتھ کچھ اس کھوٹے سامان کا کاروبار کرنے والے آدمی کے موقف سے ملتا جلتا ہے جو احساس کمتری کے عفریت کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے اور اسلام و اسلامی تہذیب و تمدن کے متعلق یورپ کا موقف اس آدمی سے مشابہ ہے جو اپنی ذات، مال، قوت اور عقیدہ پر اعتماد کی دولت بے بہا سے محروم ہو اس موقف کی تاریخ کا سراقرون مظلمہ سے جا کر ملتا ہے جب ایک ایسے خاص مزاج کی پرورش و پرداخت ہوئی جس کی بھٹی میں تپ کر یورپ کو بڑے تلخ تجربہ سے گزرنا پڑا اور جس کے موہوم تصور سے وہ کبھی بھی آزاد نہ ہو سکا۔

قرون مظلمہ کا طویل پیریڈ یورپ کی تاریخ میں نہایت ہی المناک باب ہے کیونکہ زندگی کے تمام میدانوں میں پورا یورپ حد درجہ کی پستی کا شکار تھا جب کہ دوسری جانب اسی عہد میں عالم اسلام عظمت، سیادت اور ترقی کی شاہ راہ پر گامزن تھا یقیناً تہذیبوں کے ٹکراؤ اور تصادم کا نظریہ آج یورپ جس کی سرپرستی کر رہا ہے غلبہ اسلام سے خوف اور معرکۂ حیات میں اس کی کامیابی و کامرانی کی پیداوار ہے اور یہ نظریہ یورپ کی اس شکست خوردہ نفسیات پر بھی غماز ہے جس کی نشو و نما اس وقت ہوئی جب یورپ تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا اور اسلامی دنیا علوم و فنون، تہذیب و تمدن کے روشن مینارے تعمیر کر رہی تھی یورپ کے انصاف پرست علماء و مفکرین اسلامی تہذیب کے سرچشمہ سے اکتساب و استفادہ کے معترف ہیں البتہ یہ پہلو اجاگر کرنے کے قابل ہے کہ وہ کون سے عناصر ہیں جن کو مغربی تمدن نے اسلامی تہذیب سے درآمد کیا ہے۔ ہمارے اسلامی مؤرخین نے ان پہلوؤں سے سیر حاصل

بحث کی ہے۔

تمام مؤرخین کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ عالم اسلام پر جو جنگیں تھوپی گئیں چاہے وہ صلیب کے نام پر ہو یا سیاسی اور مادی مصالح کے نام پر سب کا سرچشمہ یوروپین ممالک ہیں کوئی ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ مسلمانوں نے دوسروں پر اپنی تہذیب کو تھوپنے کی کبھی کوئی کوشش کی بلکہ اس سلسلہ میں ان کے تسامح اور وسیع القلبی کا عالم یہ تھا کہ انھوں نے عقیدہ، ثقافت یہاں تک کہ کھانے پینے اور تعلیم کے میدان میں ہر ایک کو کلی آزادی عطا کی چنانچہ ان کے دور اقتدار میں عیسائیت، یہودیت اور دیگر مذاہب کے پیرو اپنے نظام حیات اور عبادت میں پورے طور پر آزادی کی نعمت سے بہرہ یاب تھے اور اسلامی نظام کی دخل اندازی سے ان کی عبادت گاہیں محفوظ تھیں۔

مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ یورپ نے اپنے عہد سامراج میں جو پالیسی اختیار کی وہ مسلمانوں کے عادلانہ سلوک سے یکسر مختلف تھی۔ یورپ نے تو ظلم و ستم کے سارے ہتھ کنڈے استعمال کر ڈالے قوموں کی تاریخ اور ان کے کلچر کو مسخ کیا اور اپنے زیر نگیں قوموں کو منانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا چنانچہ جب ان قوموں کے اندر حریت و آزادی کے نام پر قربانی کی روح جاگی تو یورپ نے آزادی کی بیخ کنی کی اور انسانی عزت و کرامت کو پامال کیا حقائق کو مسخ کرنے اور رائے عامہ کو سبز باغ دکھانے کی خاطر کون ساحربہ ہے جو اس نے استعمال نہیں کیا، الجزائر میں فرانس اور لیبیا میں اٹلی اور ہندوستان میں برطانیہ نے جو کچھ کیا وہ کسی پر مخفی نہیں ہے پھر ایک قدم بڑھا کر ان یورپی ممالک نے ان طاغوتی نظاموں اور طاقتوں کی مدد کی جو ایک عرصہ دراز تک افریقہ کے اندر نسلی تفریق کا زہر پھیلاتے رہے اور یہ سب موجودہ تاریخ کا اہم حصہ ہے ابھی استعمار کا سایہ سر پر منڈلا ہی رہا تھا کہ اشتراکیت کا بھوت دندناتا ہوا آ پہنچا اور اس کے ترکش کے زہرناک تیروں نے مساوات و برابری کے نام پر انسانی حقوق کی ردا کو تار تار کر دیا۔

جہاں تک بے حیائی کی اشاعت اور منکرات کو فروغ دینے اور کمزور ممالک کا معاشی استحصال کا تعلق ہے تو ان سب کا سہرا ابھی یورپ ہی کے سر جاتا ہے بلکہ یورپ نے ایک نیا سر نرالا انداز یہ نکالا ہے کہ اس نے تعلیم و تربیت کے نظاموں میں اپنی دخل اندازی کی رفتار پہلے کی بنسبت اور تیز کر دی ہے فقراء و مساکین کی مدد اور رفاہی کاموں پر پابندی عائد کرنے کے تعلق سے اس کے رویہ میں سختی بڑھتی جا رہی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کمزور قوموں پر اپنی بالادستی کا سکہ چلائے۔ یورپ کی گھناؤنی اور غیر انسانی ذہنیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اگر وہ کسی کو مالی مدد دیتا ہے تو اس کے پیچھے سامراجی مقاصد اور سیاسی مصالح کا ہاتھ ہوتا ہے۔

ان ظالمانہ کارروائیوں اور داخلی معاملات میں دخل اندازی کی کوششوں کے پس منظر میں آج امن و سلامتی کے نام پر تبادلۂ خیالات کے لئے دعوت پیش کی جا رہی ہے دنیا کے مختلف ممالک میں گفت و شنید کا یہ سلسلہ شروع ہو چکا ہے مگر غور کیجئے کہ یہ گفت و شنید درحقیقت طاقتور اور ایک کمزور کے درمیان قاہر و مقہور کے درمیان ہے جو الزام کے کٹہرے میں کھڑا ہوا ہے اور آج دنیا میں جو کچھ پیش آ رہا ہے یا ماضی میں پیش آ چکا ہے تاریخ سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص ان سب سے واقف ہے اور ذرائع ابلاغ تو دنیا میں پیش آنے والے ہر قسم کے مسائل کو پیش کرتے رہتے ہیں اس کا تعلق چاہے دخل اندازی سخت کارروائیوں سے ہو یا سلب آزادی اور دھمکیوں سے چاہے مجرمین کی حمایت اور حقوق انسانی کی مخالفت سے ہو ایسے حالات میں اس گفت و شنید کا سلسلہ کیونکر جاری رہ سکتا ہے اور مشکلات بحران کا حل کیونکر نکل سکتا ہے، گفت و شنید کے لئے آزاد فضا، رائے کا احترام، مساوات و عدل کی شدید ضرورت ہے اور مزید یہ کہ ایسے عادلانہ یو این او کی ضرورت ہے جو ظالم اور مظلوم کے درمیان امتیاز نہ کرے۔

اب آج کل دیکھا یہ جا رہا ہے کہ اس طرح کی گفت و شنید کے لئے مسلم علماء و مفکرین اور اسلامی میدانوں میں سرگرم لوگوں کو امریکہ کی زیارت کی دعوت دی جا رہی ہے اور یورپ اور امریکہ کے مختلف وفود اسلامی اداروں کی زیارت اور مسلم شخصیتوں سے ملاقاتیں کر رہے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں اور مسیحی دنیا کے درمیان مفاہمت کی دعوت دی جا رہی ہے جب کہ بالکل ٹھیک انھیں ایام میں میڈیا کے ذریعہ اسلام کے خلاف نفرت کو ہوا دی جا رہی ہے اور تمام اسلامی سرگرمیوں پر پابندی عائد کرنے کے لئے سخت اقدامات کئے جا رہے ہیں، علماء و داعیوں کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھی جا رہی ہے اور اسلامی ممالک میں مسلم شخصیات کا چارٹ تیار کیا جا رہا ہے اور اسلامی ممالک سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ ان شخصیات کو امریکہ کے حوالہ کیا جائے اور یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے کہ علاج یا تجارت یا کسی دینی بزم میں شرکت کی غرض سے یورپین ممالک جانے والی شخصیتوں کو گرفتار کیا جا رہا ہے یا حکومت وقت ان کو ویزا دینے سے انکار کر دیتی ہے یا پہلے سے موجود ویزے کو کالعدم قرار دے دیتی ہے اور اسلام کی مذمت اور طعن و تشنیع کے تعلق سے کتابوں اور مضامین کی اشاعت کا ایک سیلاب

امنڈ رہا ہے اسلام کے مقامات مقدسہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش پورے طور پر جاری ہے میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی شخص کی نگاہوں سے یہ تمام حالات مخفی نہیں ہوں گے اس لئے کہ آج دنیا میڈیا اور وسائل نقل وحرکت کی بدولت ایک چھوٹے سے گاؤں کی مانند ہے۔

ایک طرف ان تمام سرگرمیوں کا سیل رواں ہے تو دوسری طرف نفرت وظلم کے گرم اور سلگتے ہوئے ماحول میں باہم گفت وشنید کا مطالبہ، سمجھ میں نہیں آتا کہ باہم مسائل کو طے کرنے کا یہ کون سا نظریہ ہے اور اس مقصد کو بروئے کار لانے کی غرض سے ملاقاتوں میں شریک ہونے والے کس قسم کا پیغام رکھتے ہیں یہ ایک سوالیہ نشان ہے۔ جو ہر ذی ہوش وفکر اور دنیا کے تمام حالات سے آگاہ شخص کے دل میں کھٹکتا رہتا ہے، سچی بات یہ ہے کہ تمام سطح پر بنیادی تبدیلی اور پالیسی کو یکسر بدلنے کی ضرورت ہے ورنہ سوائے اس کے کچھ ہاتھ نہیں لگے گا کہ دونوں گروپ کے درمیان خلیج پٹنے کے بجائے مزید اس کا دامن پھیلتا جائے گا اور تلخی میں اضافہ ہی ہوگا باہم گفت وشنید کی نافعیت کی صرف اور صرف ایک ہی شکل سمجھ میں آتی ہے کہ حسن جوار اور احسان اور آپسی احترام کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیا جائے۔ پاکیزہ جذبات واحساسات کی صدا پر لبیک کہا جائے ورنہ وحشیانہ وظالمانہ کارروائیوں کی صورت میں مقابلہ اور ٹکراؤ کی چنگاری شعلہ جوالہ کی صورت اختیار کرلے گی اور عہد سامراج کے ظالمانہ کارروائیوں کے انجام کے مقابلہ میں یہ موجودہ انجام نہایت ہی شرمناک اور بھیانک ہوگا۔

☆☆☆☆☆

☆ترجمہ: محمد احمد بیگ بہرائچی ندوی

نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا محمد ثانی حسنیؒ

خاک کا یہ ذرہ ذکر مہوشاں کیسے کرے — عشق کے رازِ نہاں کو وہ عیاں کیسے کرے
مدح آقا کی گدائے بے نشاں کیسے کرے — مشک تے دھوئے زباں کو پھر بیاں ایسے کرے

کشت بے تخم بعشوہ ترک نازک پیکرے
خوش بیانے مہربانے جانے دل برے

نعت کہتا ہوں تری آقائے من شاہ زمن — نام پیارا کتنا تیرا پاک تن پاکیزہ من
خندہ رو خندہ جبیں، غنچہ دہن شیریں سخن — نکہت زلف معنبر پر فدا مشک ختن

یا من رشک سمن جان چمن یا جان من
آشنائے دلربائے خود نمائے خود سرے

تو ہے بحر بیکراں اور میں ذرا سی آب جو — اے سراپا نور تو ہے دو جہاں کی آبرو
مرحبا صل علی جان جہان رنگ و بو — قیصریت تیری آمد سے ہوئی زرد رو

کفر سوزے دل فروزے خوب رو آہستہ خو
پاک دینے پاک بینے خوشتر از ہر خوشترے

اختر تاباں کہوں یا مہ کامل تجھے — میں کہوں کون ومکاں کی جاں یا پھر دل تجھے
میں سمجھتا ہوں نشان جادۂ منزل تجھے — دل کھنچیں بے ساختہ وہ ہے کشش حاصل تجھے

نازنینے مہ جبینے دل کشے یا دل گشے
جاں گدازے دل نوازے گوہرے یا اخترے

کوچہ جاناں گئے تو ہن کے دیوانہ گئے — بادۂ عشق ومحبت پی کے مستانہ گئے
صبر آیا جب نہ ہم کو پھر تو روزانہ گئے — نعت یہ پڑھتے ہوئے بے اختیارانہ گئے

شادۂ آزادانہ مستانہ جانانہ
مست چشمے دیر خشمے طرفہ زیبا منظرے

اے سراپا خلق تیری ذات ہے ہر دل عزیز — تیرے صدقے میں خدا نے دی ہمیں عقل وتمیز
تیرے در کی خاک ہی سرمہ بنانے کی ہے چیز — توڑ نادم تیرے در پر جان ودل سے ہے عزیز

بے قرار اشک بارم سخت زارم اے عزیز
دل برد جاں آورد ہر دم بطرز دیگرے

یادِ رفتگاں

بادشاہی میں فقیری کی ایک مثال

رکن مجلس شوریٰ ندوۃ العلماء

حضرت مولانا شاہ شرف عالم ندویؒ (۱۹۲۶ء-۲۰۰۵ء)

امین الدین شجاع الدین

خانقاہ حضرت شاہ پیر دمڑیا بابا خلیفہ باغ بھاگلپور کے ۱۳ رویں سجادہ نشین، نامور عالم دین، بزرگوں کی روایتوں کے امین، افق روحانیت کے تابندہ وروشن ستارے، جہادِ زندگانی میں محبت فاتح عالم کی شمشیر سے دلوں کو فتح کرنے والے، غریب پرور، شمع علم کی لو کو بڑھانے کے لیے عملی طور پر کوشاں اور مجاہد آزادی حضرت مولانا شاہ شرف عالم ندوی ۶ر جون ۲۰۰۵ء کو اپنے اس مالک حقیقی سے جاملے جس سے اس کے عام بندوں کو رشتہ استوار کرنے کی وہ عمر بھر دعوت دیتے رہے تھے۔ انا للہ وانا للہ راجعون۔

مرحوم کی شخصیت ہمہ گیر پہلو کی حامل رہی بیک وقت کسی شخصیت میں مختلف اوصاف حمیدہ کا پایا جانا علی العموم اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ کسی عالی نسب خاندان کا چشم وچراغ ہے اور یہ خاندانی روایات کا تسلسل ہی ہے جس کی جلوہ گری اس شخصیت میں نمایاں طور پر محسوس کی جارہی ہے۔۔۔ تسلسل کا باقی رہنا نعمت خداوندی ہی ہے اور یہ احساس دلاتی ہے کہ اس کی جڑیں بہت گہری، پائیدار اور مستحکم ہیں۔ حضرت شاہ شرف عالم صاحب ندوی اس کی ایک جیتی جاگتی مثال تھے نسب کے اعتبار سے حضرت حسینؓ سے رشتہ جاملتا تھا۔ مستزاد یہ کہ والد ماجد اور زوجہ محترمہ سب کے سب کا خاندان سادات اور روحانی اعتبار سے تقریباً ۷۔۸ سلاسل سے اجازت بیعت وخلافت حاصل!!

سادات میں سے ہونا ہی شرف کے لیے کافی تھا پھر سلاسل نے اسے مزید تقویت بخشی اور ان کی شخصیت کی تشکیل کے عناصر میں ان سب کا بڑا کردار رہا جس کے اثرات عام لوگوں تک نے محسوس کئے۔ ان کی وفات پر جس طرح برادران وطن تک نے اپنے رنج والم کا اظہار کیا، اس سے یاد تازہ ہوگئی، ہمارے ان اسلاف کی جو مرجع خلائق ہوا کرتے تھے اور دھرم کی سطح سے بلند ہوکر عام انسان ان سے اٹوٹ پیار کرتے تھے۔

غالباً یہ صفت بھی انھیں ورثہ میں ملی تھی اس لیے کہ ان کے جد امجد حضرت مولانا سید ظہیر الدین حسینی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے زمانہ میں دہلی تشریف لائے تھے۔ حضرت زکریا ملتانی سے اکتساب فیض کیا اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ ایک طرف یہ درویشانہ صفت اور دوسری جانب وہ معلمانہ ومربیانہ شان کہ فیروز تغلق کے استاذ ومربی مقرر ہوئے۔

اس سلسلہ نسب سے ایک بزرگ حضرت مخدوم سید حسن دانشمندؒ ہوا کرتے تھے ان کے تین صاحبزادے تھے حضرت مخدوم سید احمد پیر دمڑیا، حضرت مخدوم سید مبارک اور حضرت مخدوم سید حسین صاحب۔ تینوں صاحب قلم وصاحب دل تھے اور درس وتدریس سے اشتغال رکھتے تھے۔ حضرت مخدوم سید حسن دانشمندؒ نے ہمایوں کو پناہ اور دعا دی تھی جو شیر شاہ سوری کے لیے ناگواری کا باعث تھی چنانچہ حضرت مخدوم سید حسن دانش مندؒ نے اپنے بیٹوں کو ہدایت کی کہ شیر شاہ کی حکومت جب تک قائم ہے تب تک تم روپوش رہو اور یہاں سے منتقل ہوکر دوسرے مقامات پر چلے جاؤ، چنانچہ تینوں صاحبزادگان علی الترتیب حاجی پور، بیوان، اور بھاگلپور آگئے۔

حضرت دانشمندؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید احمد پیر دمڑیا تھے۔ لیکن بہر حال تینوں ایک ہی شجر کے ثمر اور ایک ہی مربی کے تربیت یافتہ تھے۔ ایک صاحب دل کے نہ صرف صحبت یافتہ تھے بلکہ ان کے جگر گوشے بھی تھے، شان استغنا، وتوکل اور دنیا سے بے نیازی وبے اعتنائی ان کے خمیر میں داخل تھی خلق خدا کی خدمت کے پس پشت اپنے رب کی رضا ان کے پیش نظر رہتی تھی چنانچہ جب ان کے بعض مریدین نے ان سے اپنی پریشانیوں اور ضروریات کا تذکرہ کیا تو انھوں نے اپنے خالق ومالک کے حضور ہاتھ پھیلایا اللہ نے اپنے ان نیک وصالح بندوں کی لاج رکھتے ہوئے اُن کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور مریدین کی مراد بر آئی، انھوں نے خوش ہوکر اپنے ان بزرگوں کی خدمت میں ہدایا وتحائف اور نذرانے پیش کرنا چاہے لیکن ان بزرگوں کا عالم یہ تھا کہ ایک طرف استغنا کی شان تھی اور دوسری طرف اپنے ان مخلص مریدین کی دلجوئی کا خیال! چنانچہ فقط ایک دمڑی قبول کی۔ استغنا وتوکل اور دولت وثروت سے بے نیازی وبے اعتنائی ورثہ میں چلی اور نتیجہ میں ان سب کی خانقاہیں پیر دمڑیا کے نام سے ہی مشہور ہوئیں اور جو آج بھی زبان حال سے یہ پیغام دے رہی ہیں کہ "کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل"۔

حضرت شاہ شرف عالم ندویؒ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھے چنانچہ مرحوم کی زندگی میں بھی یہ شان استغناء دیکھنے کو ملتی ہے جب ہندوستان میں زمینداری ختم ہوئی اور ایک قانون کے تحت زمین بٹے داروں کے نام چڑھا دی گئی تو شاہ

صاحب کی ۴۰۰ بیگھہ زمین بھی اس قانون کی زد میں آئی مقدمہ عدالت میں پہنچا، شاہ صاحب بھی عدالت میں موجود تھے اور بےدار بھی۔ منصف نے بےداروں سے پوچھا کہ تمھارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم ان کے بےدار ہو تو جوت داروں اور بےداروں کا جواب شاہ صاحب کی عظمت و تقدیس اور ان پر غیروں تک کے غایت درجہ اعتماد و اعتبار ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ جوت داروں نے جواب میں کہا کہ ہمارا ایک ہی ثبوت ہے جو خود شرف یاب ہیں جو ہمارے مالک ہیں، آپ خود ان سے پوچھ لیجئے کہ ہم سب ان کی ۴۰۰ بیگھہ آراضی کے جوت دار ہیں یا نہیں، حاکم نے ان سے کہا کہ اگر وہ تمھیں اپنا بےدار تسلیم نہ کریں تو زمین تمھارے ہاتھوں سے نکل جائے گی، ان سب نے مل کر کہا کہ اگر شاہ صاحب انکار کردیں گے تو ہم لوگوں کا مقدمہ خارج کردیجئے گا اور ان کے حق میں فیصلہ کردیجئے گا۔ حضرت شاہ صاحب کے لیے ممکن تھا کہ وہ اس موقع پر انکار کردیتے لیکن انھوں نے جو جواب دیا وہ مومنانہ تھا، ایک خدا ترس بندۂ مومن کا جواب تھا کہ ہم ۴۰۰ بیگھہ زمین کے لیے جھوٹ نہیں بولیں گے ہمیں اپنی عاقبت و آخرت برباد نہیں کرنی ہے اور عدالت میں ان کو اپنا بےدار تسلیم کرتے ہوئے ان کے دعوی کو صحیح قرار دیا اور مقدمہ بےداروں کے حق میں فیصل ہوا۔

حسب نسب اور سلسلہ روحانیت دونوں کے اعتبار سے عالی و بلند نسبتوں کے حامل حضرت شاہ صاحب کی پیدائش شہر لکھنؤ میں اپنے ننہال میں ہوئی، ۲۹ر شعبان ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۸ر مارچ ۱۹۲۶ء کو اپنے نانا حضرت خواجہ مودود چشتیؒ کے ہاں آنکھیں کھولیں۔ والدہ ماجدہ بھی عابدہ و زاہدہ تھیں اور قرآن پاک سے خصوصی شغف رکھتی تھیں اس طرح وہ جو کہا گیا کہ ماں کی گود بچہ کا پہلا مدرسہ ہوتا ہے تو شاہ صاحب کو بھی اپنی پرورش و نگہبانی کے لیے وہ گود میسر آئی جس میں لعل و گہر ڈھلتے ہیں، حضرت شرف الدین یحیی منیری کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس نومولود کا نام شرف عالم رکھا گیا۔ والد حضرت شاہ فخر عالم صاحب فرنگی محل کے فارغ التحصیل تھے۔ جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت فضل رحمان گنج مراد آبادی کے سلسلہ کی اجازت و خلافت سے سرفراز تھے صاحب دل کے ساتھ صاحب قلم بھی تھے چنانچہ ان کی ۱۰۲ کتابیں مخطوطہ کی شکل میں کتب خانہ خانقاہ پیر دمڑیا میں محفوظ ہے۔

شاہ شرف عالم صاحب کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ حفظ اور دور، اُن کے اپنے والد کی توجہ و نگرانی میں مکمل ہو، شاہ فخر عالم صاحب کے علامہ سید سلیمان ندویؒ سے مراسم تھے چنانچہ ان کی ابتدائی تعلیم کی تحصیل اور حفظ کے بعد علامہ ہی کے ایماء پر شاہ صاحب نے ندوہ میں داخلہ لیا اور ندوہ میں انھیں علامہ کی سرپرستی حاصل رہی۔ علم و فضل کے لحاظ سے بھی یہ بلند نسبت انکا مقدر تھی۔ ع

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

چنانچہ اس مناسبت نے کم عمری اور زمانۂ طالب علمی ہی میں حضرت مدنیؒ اور حضرت مولانا الیاس صاحبؒ جیسے اکابر کی خدمت میں شاہ صاحب کو وقتاً فوقتاً حاضر ہونے کے مواقع فراہم کئے، ظاہر ہے کہ ان خدا ترس، پاک دل و پاک باز اللہ کے مقبول بندوں کی نظر کیمیا اثر نے بھی اپنا کام کیا ہوگا۔ ندوہ سے فراغت کے بعد مزید ایک سال مسجد فتح پوری دہلی میں تحصیل علم کی خاطر قیام کیا۔

حضرت شاہ صاحب نے بزرگوں کی آنکھیں دیکھی تھیں، ان سے اکتساب فیض کیا تھا، تعلیم سے فراغت کے بعد بھاگلپور لوٹے تو اپنے والد ماجد حضرت شاہ فخر عالم صاحبؒ سے ہی دو برس نہیں بلکہ نصف صدی تک خانقاہ کی مسجد میں تراویح سنائی، وہ عالم دین تھے چنانچہ سنتوں پر عمل و

شاہ صاحب کو قدرت نے وجاہت بخشی تھی، جو انھیں دیکھتا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا، ان سے نظریں ملانا تو کجا کچھ دیر تک انھیں دیکھتے رہنے کی تاب بھی ہر کس و ناکس کے لیے ممکن نہ تھی لیکن صاحب دل تھے اور جو صاحب دل ہوتا ہے اس کے دروازے سب کے لیے کھلے ہوتے ہیں غریبوں، مظلوموں، بےکسوں اور ضرورت مندوں کے لیے بھی اور صاحبان جاہ و اقتدار کے لیے بھی، درویش صفت انسان سب کو سینہ سے لگاتا ہے اس میں مذہب و دھرم کی قید نہیں ہوتی وہ اکرام انسان کا قائل ہوتا ہے چنانچہ شاہ صاحب کے پاس دعاؤں کے لیے جہاں پریشان حال انسان آتے وہیں ان کی خدمت میں وزراء بھی آئے اور وزراء اعظم بھی۔ بھاگلپور میں ہندو مسلم فساد کے موقع پر جو رقص ابلیس ہوا تھا اس سے کون بےخبر ہے اس موقع پر جب اس وقت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی آئے تو خانقاہ بھی آئے اور دلگیر ہوکر شاہ صاحب سے اس فساد کے پھوٹ پڑنے پر معذرت کی اور اظہار ندامت کیا۔ لیکن شاہ صاحب کا انداز شاہی میں فقیری ہی کا رہا۔ محترمہ اندرا گاندھی نے پارلیمان کی ممبر شپ کی دعوت دی تو باوقار انداز میں اس سے معذرت کرلی۔ دنیا ان کے سامنے بازیچۂ اطفال تھی اور ان کی نگاہ اس آخرت پر تھی جس کے متعلق فرمایا گیا **لا عیش الا عیش الآخرۃ**۔

شاہ صاحبؒ میں علم و فضل اور روحانیت کا جو امتزاج تھا اس کا عکس جمیل ان کی روز مرہ کی زندگی اور معمولات میں بھی دیکھا جاسکتا تھا، وہ سجادہ نشین بھی تھے اور زخمی دلوں پر مرہم رکھتے تھے، وہ معلم بھی تھے اور خانقاہ کے مدرسہ میں مسند درس پر متمکن دکھائی دیتے تھے، انھوں نے امامت بھی کی اور اپنی خوش الحانی سے مصلیوں کو مسحور کیا، وہ حافظ قرآن بھی تھے، چنانچہ ایک

مداومت کو نمایاں طور سے ان کی زندگی میں دیکھا جاسکتا تھا۔ دنیا کی دولت کے بجائے آخرت کی متاع پر ان کی نگاہ تھی، تن کی دنیا کے بجائے من کی دنیا ان کا مطمح نظر تھا اور من کی دُنیا کو سکون ملتا ہے بےسہاروں کو سہارا دینے سے، بےکسوں کی دست گیری سے، حاجت مندوں کی حاجت روائی سے۔ چنانچہ جب ۱۹۵۷ء میں بھاگلپور میں سخت ترین قحط پڑا تو شاہی میں فقیری کرنے والے اس مرد باخدا نے گاؤں کے لوگوں میں نہ صرف اپنا سب کچھ لٹا دیا بلکہ کہا کہ فلاں فلاں جگہ تالاب کھدواؤ جس میں شب و روز غریب و امیر اور شریف سارے لوگ محنت کرتے اور شاہ صاحب کی جانب سے انھیں اجرت ملتی۔ یہ واقعہ لکھنؤ کی بھول بھلیاں کی یاد دلاتا ہے لیکن اس فرق کے ساتھ کہ یہاں کے نواب کو اس وقت کے لوگ رازق سمجھ بیٹھے تھے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ جس کو نہ دے داتا اس کو دے لکھ داتا۔ (یعنی آصف الدولہ) جب کہ وہاں نگاہ ہر حال میں رزّاق پر تھی۔

معلم عربی ﷺ کے اس امتی کو علم کی شمع کی لو بڑھانے کی فکر بھی لاحق رہی، مسلم ایجوکیشنل کونسل سے وابستہ رہ کر اسکولز و کالجز کے قیام میں پیش پیش رہے، اکرام انسان کے قائل شاہ صاحب ہندو مسلم یکجہتی و یگانگت کے لیے بھی برابر کوشاں رہتے تاکہ حالات معتدل رہیں اور زندگی کی گاڑی نہ رکے، ظلم و جبر کے خلاف علم بلند کرنے میں بھی انھیں پس و پیش نہ رہا چنانچہ جنگِ آزادی کے موقع پر وہ بھی سینہ سپر رہے۔ لیکن ان کا اصل مشن تزکیہ باطن تھا، دل کو دل بنانا تھا، اللہ کے بندوں کو اللہ سے جوڑنا تھا چنانچہ خانقاہ پر (جس کے وہ امین و پاسدار تھے اور اس کی روایتوں کے علمبردار تھے) ان کی خصوصی توجہ رہی اور یہیں سے انھوں نے دعوت و ارشاد، سلوک و احسان کی بزم سجائی اور بندگان خدا کو معرفت الٰہی کی راہ بھائی۔ ملی مسائل سے بھی ان کی دلچسپی برقرار رہی مختلف ملی تنظیموں کے ساتھ ندوۃ العلماء کی شوریٰ کے بھی رکن رہے۔

اس شیریں گفتار شخصیت کو تقریباً رابع صدی سے شکر کی تلخی نے ضعف و اضمحلال سے دوچار کر رکھا تھا۔ آخر ۲۸ر ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۶ر جون ۲۰۰۵ء کو مالک حقیقی کی طرف سے پروانۂ مراجعت آگیا اور آخرت کے اس سچے مسافر نے جان، جان آفریں کے سپرد کردی۔ ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا، روحانیت کے افق کا ایک درخشندہ ستارہ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ ندوہ کے ایک مایہ ناز سپوت نے اپنے پیچھے ہزار ہا ہزار سوگواروں کو چھوڑ کر آخرت کی راہ لی۔ وہ نسخۂ آدمیت تھے اس لیے علم و فضل اور روحانیت کی دنیا ہی نہیں، انسانیت بھی ان کے فراق پر سوگوار رہے گی۔

جناب مولانا شاہ حسن مانی صاحب ندوی جو حضرت شاہ صاحب مرحوم کے بڑے صاحبزادے ہیں، شاہ صاحب کے جانشین مقرر ہوئے اور اس طرح خانقاہ کے یہ ۱۴ ویں گدی نشین قرار پائے۔ موصوف نے ندوہ اور علی گڑھ دونوں سے اکتساب فیض کیا، دیار غیر کے بھی خوب خوب اسفار کئے، جمعیت شباب الاسلام کے انتظامی اور دینی امور کے ذمہ دار رہے۔ کئی موقعوں پر مولانا سلمان الحسینی کے شریک سفر رہے اور اب تو ماشاء اللہ اول الذکر کے صاحبزادے اور ثانی الذکر کی صاحبزادی شریک حیات ہیں۔ شباب اسلام کے ان کے زمانۂ قیام میں راقم آثم کو شاہ حسن مانی صاحب کو قریب سے دیکھنے اور برتنے کا موقع ملا۔ نہایت خلیق و ملنسار، اور انکسار اس پر مستزاد طبیعت مرنجان مرنج پائی حلم و بردباری، تقوی و دینداری علماء و بزرگوں کی خدمت گزاری و اطاعت شعاری اور صبر و ضبط کے ان کے اوصاف کے تجربات و مشاہدات کے خود ہم سب کارکنان جمعیت گواہ ہیں لیکن افتاد کا یہ عالم کہ اس مدت میں کہیں سے محسوس نہ ہونے دیا کہ ان کو کس قدر بلند علمی و روحانی نسبتیں حاصل ہیں، ان کی سادگی ہمارے لیے حجاب بنی رہی اور ہوسکتا ہے کہ ہم تحسین ناشناسوں سے ان کی ناقدری بھی ہوئی ہو۔ مگر ان کی نسبتوں کا سرا محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء سے جاملتا ہے کہ جب ایک شخص نے ہدیہ میں مٹی کی پڑیا رکھ دی تو حضرت نے اس پر ناگواری ظاہر نہ کی بلکہ فرمایا کہ یہ تو میری آنکھوں کا سرمہ ہے۔ حسن اتفاق کہ شاہ حسن مانی صاحب ۱۴ ویں جانشین قرار پائے اب انھیں چودھویں کے چاند کی طرح، بدر کامل کی مانند چمکنا دمکنا اور روشنی بکھیرنا ہے، سسکتی انسانیت اور نفرت و عداوت سے بےزار انسانیت کو روحانیت ہی اس کے درد کا درماں فراہم کرسکتی ہے اور اکرام انسان کا سچا اسلامی جذبہ ہی ٹیشوں کی مسیحائی کا کام کرسکتا ہے۔

شاہ حسن مانی صاحب پر جو ذمہ داریاں آن پڑی ہیں وہ عظیم تر ہیں لیکن نسبتوں کے علاوہ انھوں نے جس پدر بزرگوار کی تربیت پائی ہے اس کی بنیاد پر محض اللہ کے فضل و کرم سے توقع ہے کہ وہ خانقاہ پیر دمڑیا کی روایتوں کے سچے امین ثابت ہوں گے تزکیہ باطن، اصلاح امت، خدمت خلق، اشاعت علم، دعوت و ارشاد کی روایات۔۔۔ اللہ کی ذات سے امید ہے کہ ۱۴ واں جانشین چودھویں کے چاند کی مانند چاندنی کا جلوہ بکھیرے گا خانقاہ میں اللہ اللہ کی بوئے انفاس کا مٹی کی طرح مہکے گی محبت کے دھنی کی گھنی چھاؤں میں بلاتفریق مذہب و ملت انسان مل کر بیٹھیں گے اور سراپا سیاہی سراپا روشنی سے تبدیل ہوگی۔

شاہ شرف عالم صاحب تو اپنی اصل منزل کی طرف روانہ ہوگئے بلاشبہ قدرت کا کارخانہ اور اس صناع حقیقی کا سانچہ اپنی جگہ پر قائم ہے البتہ شاہ صاحب کے اٹھ جانے سے ہاتف غیب کی صدا کانوں میں گونج رہی ہے۔ ع

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مینارۂ نور

فاتحِ اندلس حضرت طارق بن زیاد

از سید اسحاق حسینی

لذت عشق بھول گیا درد غم عاشقی
دل بھی دیا مال دیا من بھی دیا جان دی

حضرت طارق اسلام کے ان گنے چنے مجاہدوں اور سپہ سالاروں میں سے ہیں جن کی وجہ سے تاریخ اسلام فخر کرتی ہے اور جن کے نام تاریخ اسلام کے اوراق پر سنہرے حروف میں لکھے ہوئے ہیں۔ یہ وہی ''مجاہد'' ہیں جنھوں نے سرہتھیلی پر رکھ کر ایسے ایسے کارنامے انجام دئے جن سے تاریخ کا رنگ اور رُخ بدل گیا۔ حضرت طارق پہلے مسلمان ہیں جن کے ہاتھوں ''اندلس'' (اسپین) فتح ہوا ان کی فوجی کامیابی سے اسلام یورپ تک پہنچ سکا، اور یورپ کی سرزمین میں اپنے قدم جما سکا۔

اندلس کے باشندوں کا وہاں کے امیروں، ظالم بادشاہوں، عیش پرست اور متعصب پادریوں نے چین سے زندگی بسر کرنا دشوار کر رکھا تھا۔

حضرت طارق نے جب ''اندلس'' فتح کر لیا تو وہاں اسلام پھیلا۔ مظلوموں اور لاچاروں کی مصیبتیں کم ہوئیں۔ فتح اندلس سے پہلے وہاں کے باشندوں سے جانوروں جیسا سلوک کیا جاتا تھا، مگر فتح کے بعد عزت و آبرو اور شان و وقار کے ساتھ رہنے بسنے لگے اور آرام کی زندگی بسر کرنے لگے۔

اس عظیم کارنامے کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت طارق کے پاس بارہ ہزار فوج جو ہتھیاروں سے خالی اور ادھر ایک لاکھ فوج جو ہتھیاروں سے لیس اور گھوڑسواروں سے مزین، اسی کے ساتھ ساتھ ساٹھ ہزار سپاہی جس کی مدد کر رہے ہوں۔ اور جو اپنے دیس کی سرزمین پر ہو اور پھر اس کے ذرے ذرے سے واقفیت ہو اور پوری فوج مسلح ہو اس کا حال کیا ہوگا؟ مگر یہ گیارہ ہزار جوان مرد جن کے پاس پورے ہتھیار بھی نہ تھے اور جو اپنے وطن سے ہزاروں میل دور تھے اور اسپین کی دشوار گزار راہوں سے ناواقف تھے فتح حاصل کرتے ہیں، اس کی وجہ کیا تھی؟ جنرل طارق کے سپاہیوں میں اللہ کا خوف تھا اور ان کے دلوں میں خدا کا نام بلند کرنے کا جذبہ تھا اور یہ وہی جذبہ تھا جس کی خاطر وہ ایک اجنبی ملک میں اسلام پھیلانے چل پڑے تھے اور بے دھڑک جا پہنچے۔

جنرل طارق کا پورا نام طارق بن زیاد اللیثی تھا، لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ آپ کہاں اور کب پیدا ہوئے تھے۔

دیندار بہت سرکش اور ظالم و جابر، خونخوار اور خوف ناک تھے اور ہر طرف قتل و خوں ریزی کرتے پھرتے تھے۔ اس لٹیری قوم سے نکل کر اس قاتل و جابر قوم سے چھٹکارا پا کر اس خونخوار و خوف ناک قوم کے فرزند طارق بن زیاد کا دل اسلام کی تعلیمات سے روشن ہو گیا اور وہ مسلمان ہو گئے اور ان کے دل میں اسلام پھیلانے کا جذبہ اور خدا کے نام کو بلند کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، اسی کی خاطر ان کی تلوار نیام سے نکلی، ان کی تلوار سے وہی سرقلم ہوئے جو اللہ کو نہ مانتے تھے اور ان کے گھوڑوں کے سموں سے صرف ان انسانوں کے سر پامال ہوئے جو اللہ کے بندوں پر ظلم کر رہے تھے۔ طارق کے بچپن کا حال ہمیں معلوم نہیں اور نہ تاریخ میں اس کا کوئی ذکر ہے۔ اتنا ضرور معلوم ہے کہ آپ بربر میں پیدا ہوئے وہیں پلے بڑھے اور جوان ہوئے اور وہاں بربری فوج میں کئی سال بھرتی بھی رہے جس کی وجہ سے آپ نے کئی لڑائیاں مسلمانوں سے بھی لڑیں، مگر اسلام سے پہلے بھی کبھی کوئی جیت سکا ہے؟ اور کوئی فوج یا قوم اسلام کے سامنے ٹھہر سکی ہے؟ بربری فوج ماری گئی۔ طارق بن زیاد گرفتار ہوئے اور غلام بنائے گئے۔ غلام بن کر رہنے لگے اور مسلمانوں کی خوبیاں دیکھ کر اسلام لے آئے، پھر اسلام کے فدائی بن گئے، افریقہ کے مسلمان گورنر موسیٰ بن نصیر نے ان کی صلاحیت کو دیکھا کہ یہ جوان کچھ بننے کے لئے تڑپ رہا ہے اور اس کے اندر کچھ بننے اور دکھانے کا جذبہ ہے تو آپ کو پڑھایا لکھایا، فنون سپہ گری کے گر سکھائے اور سکھا پڑھا کر آزاد کر دیا۔ آخر میں جا کر وہ ایک زبردست افسر بن گئے اور موسیٰ کی فوج میں بھرتی ہو گئے اور قابلیت اور صلاحیت کے جوہر کھلنے شروع ہوئے۔ کہتے ہیں کہ دینداری میں طارق بن زیاد صحابہ کرام کے نمونہ تھے جو جذبہ صحابہ کرام کے دلوں میں اسلام پھیلانے کا توحید کے نور کو روشن کرنے کا تھا وہی جذبہ دل میں بھی موجزن تھا اور ان کو بے چین رکھتا تھا کچھ ہی دنوں میں حضرت طارق کو فوج کا سپہ سالار بنا دیا گیا اس سے قبل ہر مسلمان اسپین جانے کے لئے تیار تھا۔ جب موسیٰ نے لوگوں کا یہ جذبہ دیکھا تو سات ہزار بہادر چن کر انھیں تیاری کا حکم دے دیا۔ لوگ سمجھ یہ رہے تھے کہ فوج ذرا زیادہ بھیجی جائے گی کیونکہ اسپین کا عیسائی بادشاہ بہت طاقت ور تھا۔ لیکن موسیٰ بن نصیر نے صرف سات ہزار سپاہی منتخب کئے، اس پر لوگوں کو بڑی حیرت تھی اور مایوسی بھی، اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس فوج کے سپہ سالار

طارق کو مقرر کیا گیا جو ایک نومسلم بربر اور آزاد شدہ غلام تھے، طارق بن زیاد ایک تجربہ کار جرنیل تھے۔ ان کی نظر بلند تھی، وہ مستقل مزاج انسان تھے اور ان جیسا باہمت انسان دیکھنے میں نہیں آیا۔ ان کے اندر انسانی ہمدردی تھی، وہ نسخۂ آدمیت تھے۔ ۵ر رجب ۹۲ھ کو اسلامی لشکر اس مقام پر اترا جس کا نام ''قلعۃ الاسد'' تھا، مسلمانوں نے اس کا نام ''جبل الطارق'' رکھا، راستے میں طارق نے خواب دیکھا کہ رسول خدا ﷺ فرما رہے ہیں کہ ''اسپین تمہارے ہی ہاتھوں فتح ہوگا۔'' اس کے فوراً بعد آنکھیں کھل گئیں اور اپنی فتح کا کامل یقین ہو گیا۔ ساحل اندلس پر اترتے ہی طارق نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ وہ کشتیاں جس پر سوار ہو کر آئے تھے پھونک ڈالیں یہ دیکھ کر کاونٹ جولین نے طارق سے کہا اس طرح سے تو ہماری موت یقینی ہوگئی، اگر لرزیق نے ہمیں پسپا کر دیا تو ہم بھاگ بھی نہ سکیں گے۔ طارق نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''مسلمان کبھی فرار ہونے کے بارے میں نہیں سوچتا جب ایک مسلمان میدان کارزار میں قدم رکھتا ہے تو غازی بن کر ہی واپس لوٹتا ہے ورنہ شہید ہو جاتا ہے، کشتیاں اس لئے جلا دیں کہ میرے جانبازوں میں بھاگنے کا خیال ہی نہ پیدا ہو وہ سمجھ لیں ہم ہیں یا وہ، اور ہم کو پورا یقین ہے کہ ہم لرزیق کی فوج کو پسپا کر دیں گے۔''

فلورنڈا طارق کی طرف عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ جو ایک غیر مسلم کے لئے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی زندگیاں جنگ کے شعلوں میں جھونک رہا تھا، طارق کے حکم پر خیمے نصب کر دئے گئے، بیچ میں طارق کا خیمہ نصب کیا گیا، اس کے نزدیک کاؤنٹ جولین اور فلورنڈا کا خیمہ تھا۔ آفتاب غروب ہوا، تاریکی نے دن کے اجالے کو ختم کر دیا، اسلامی لشکر کھاپی کر اللہ کے حضور میں سجدہ ریز ہو گیا۔ فلورنڈا نے جب مسلمانوں کو ایک ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

اقبال

فلورنڈا کا دماغ یہ کہنے پر آمادہ ہو گیا کہ ضرور یہ جانباز ''اندلس'' کو فتح کریں گے، عشاء کی نماز ختم ہوتے ہی طارق فوج کو آرام کرنے کا حکم دیتے ہیں، سب سو جاتے ہیں، سوائے چند پہریداروں کے۔ شب کی سیاہی ابھی پورے طور پر ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ فلورنڈا کی آنکھ کھل گئی، خیمہ سے باہر آئی دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ طارق اپنے ساتھیوں کے ساتھ اللہ کے آگے جھکا ہوا ہے۔ نماز ختم ہوتے ہی طارق نے فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ فوج تیار ہو جاتی ہے اور لہریں مارتی ہوئی چل پڑتی ہے ادھر لرزیق کا سپہ سالار تدمیر جو ایک باحوصلہ اور بہادر سپہ سالار تھا، بہت جلد تیار ہو کر طارق کی طرف بڑھا، طارق کو اطلاع مل گئی، طارق بھی چلا، صف بندی کا حکم دے دیا اور اندلسی فوج کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد دور سے گرد و غبار کے بادل اٹھتے نظر آئے۔ اسلامی فوج دیکھ کر مضطرب ہو گئی، غبار کے پردوں سے اندلسی فوج نمودار ہوئی، کچھ فاصلہ پر رک گئی اور صف بندی کے بعد دھیرے دھیرے اسلامی لشکر کی طرف بڑھنے لگی، اندلسی فوج جو مسلم فوج سے کہیں زیادہ تھی، مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی، اسلامی لشکر نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور تلواریں چلنے لگیں، سر تن سے جدا ہونے لگے۔ اسلامی فوج بڑھ بڑھ کر حملے کر رہی تھی اور گاجر مولی کی طرح گردن اڑا رہی تھی اس طرح ہر تھوڑی دیر کے بعد اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتی ہوئی بڑھ رہی تھی اور تھوڑی ہی دیر میں تدمیر کو اپنی بے بسی کو اندازہ ہو گیا اور اپنی جان کی فکر ہوئی، جب طارق نے دیکھا کہ فوج پیچھے ہٹ رہی ہے اور تدمیر بھاگ کھڑا ہوا ہے اور فوج بھی بھاگ رہی ہے تو تلوار روک لی اور ان کو بھاگتے ہوئے دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد پوری فوج نظروں سے اوجھل ہو گئی طارق اپنے خیمہ میں آ گیا اور مسلمان غازی بھی اپنے خیموں میں واپس آنے لگے۔ مرہم پٹی، کفن دفن ہونے لگا۔ اور ادھر تدمیر اب تک بھاگا جا رہا تھا اور آخر میں ایک مقام پر جا کر رک گیا۔ کچھ دیر دم لینے کے بعد اس نے ایک قاصد لرزیق کے پاس خط دے کر بھیجا:

''اے شہنشاہ! ہمارے ملک پر ایک غیر قوم نے حملہ کر دیا ہے میں نے مقابلہ کیا مگر قدم جم نہ سکے۔ ضرورت ہے کہ آپ خود تشریف لائیں۔ یہ حملہ آور لوگ نہ جانے کہاں سے آ گئے ہیں، زمین سے نکلے ہیں یا آسمان سے اترے ہیں۔''

لرزیق نے خط پا کر فوج فراہم کرنی شروع کی اور کسی طرح ایک لاکھ سورماؤں کے ساتھ ''جبل الطارق'' روانہ ہوا اور وہاں سے تدمیر بھی ساتھ مل گیا، اس میں بڑے بڑے سردار، سپہ سالار، صوبہ دار، تجربہ کار لوگ شامل تھے جو شخص اس فوج کی آن بان دیکھتا تھرا اٹھتا تھا۔ مگر دوسری طرف طارق بن زیادہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ہر مقام کو فتح کرتا اور اسلامی پرچم لہرا دیتا۔

۹ر جولائی ۷۱۱ء کو وادی بکہ کے سرے پر لشدونہ کے میدان میں جبل الطارق سے قریب دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ ایک ہفتہ تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے خیمہ زن رہے اور پھر ایک دن جب آفتاب نے سر اٹھا کر اپنے نور سے کائنات کو جگمگایا، شاہ لرزیق نے اپنی فوج کو صف بندی کا حکم دے دیا، طارق نے بھی اپنی فوج

(باقی صفحہ ۲۸ پر)

ایک رپورٹ

قرآن کو طاق نسیاں بنا کر مسلمان سربلند نہیں ہوسکتا

القرآن انسٹی ٹیوٹ کے ایک جلسہ سے ڈاکٹر سعید الاعظمی کا خطاب

جناب مولانا عبدالوکیل ندوی

القرآن انسٹی ٹیوٹ کی ایک باوقار تقریب کو خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے فرمایا کہ ہمارے لیے بڑی خوش نصیبی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسے اجتماع میں شرکت کرنے کی سعادت نصیب فرمائی جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کی طرف ہے کیونکہ قرآن سے مسلمانوں کا تعلق بہت گہرا ہے اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے ذریعہ ایک امتیاز عطا فرمایا ہے جو کسی قوم کو نہیں عطا فرمایا ارشاد باری تعالیٰ ہے **یا ایھا الذین امنوا إن تتقوا الله یجعل لکم فرقانا۔** ترجمہ۔ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے تقویٰ اختیار کروگے تو اللہ تعالیٰ تمھیں شان امتیازی عطا فرمائیں گے۔

مولانا نے کہا کہ قرآن کی تلاوت اور اس کی نشر واشاعت ہر جگہ ہونی چاہئے سعودی عرب کے شاہ فہد نے اس معاملہ میں بڑی فراخ دلی سے کام لیا اور انھوں نے قرآن اور اس کی تفسیر کو تمام زبانوں میں لکھوا کر دنیا کے مختلف ملکوں میں کروڑوں کی تعداد میں تقسیم کرایا اور اس کے لیے باقاعدہ ایک ادارہ بھی قائم کیا کیونکہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی اس کتاب سے بہت زیادہ ہے اس کے علاوہ اور بھی مخیر حضرات ہیں جو بغیر نام ونمود کے قرآن کی نشر واشاعت میں لگے ہوئے ہیں۔

مولانا نے کہا کہ قرآن کی تعلیمات و ہدایت کے مطابق اگر ہم زندگی گذاریں گے تو ہر جگہ باعزت ہوں گے کیوں کہ بعض قوموں نے قرآن کو سمجھا اس لیے وہ کہتے ہیں کہ جب تک مسلمانوں کے دلوں میں قرآن رہے گا ہم اس وقت تک ان پر حکومت نہیں کرسکتے اور مسلمانوں کو مٹا بھی نہیں سکتے۔ لہٰذا آج سپر پاور اور عالمی طاقتیں قرآن کو مسلمانوں کی نظر میں معیوب بنانا چاہتے ہیں اور اس کے امتیاز کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن پوری دنیا کے لوگوں اور انسانوں کے لیے اتارا گیا ہے، یہی کتاب قرآن ہے جس کے ذریعہ سے ہم قائد اور رہنما بنے اور مسلمان پیدا ہی قیادت و سیادت کے لیے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **کنتم خیر امة اخرجت للناس، تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر**، ترجمہ: تم بہترین امت ہو جس کو نکالا ہی اس لیے گیا ہے تاکہ وہ اچھائی کا حکم کرے اور برائی سے منع کرے۔

اگر ہم نے قرآن سے دوری اختیار کی تو ہم کسی شعبہ میں کامیاب نہیں ہوسکتے اور اگر قرآن کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کیا تو کبھی مغلوب نہیں ہوسکتے اور اپنے ہمسایوں کے نزدیک معیوب نہیں ہوسکتے، قرآن صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے رحمت ہے اس رحمت کو اپنی زندگی میں اتارنے کی ضرورت ہے۔

قرآن نے تمام قوموں یہاں تک کہ غیر مسلموں پر بھی اثر ڈالا، جواہر لال نہرو نے قرآن کی افادیت کا اعتراف ڈسکوری آف انڈیا میں کیا ہے اور کہا ہے کہ مسلمان اپنی توحید اور قرآن کے ذریعہ لوگوں پر اثر انداز ہوا۔

لوتھر کہتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی مقدس کتاب قرآن کو شعار بنا کر پوری دنیا پر اثر ڈالا۔

آج ہم قرآن کے ہوتے ہوئے دوسری قوموں کے دست نگر بنے ہوئے ہیں لہٰذا ہم قرآن کی تعلیمات و ہدایات کو سمجھیں تاکہ اس کے ذریعہ سے قابل رشک زندگی گذار سکیں اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں اور قرآن کے ذریعہ سے باطل طاقتوں کے ناپاک سلسلہ کو توڑ دیں۔ اپنے ہم وطنوں کی خدمت میں اس کی تعلیم کو پیش کریں کیونکہ تمام مسائل کا حل قرآن کے اندر موجود ہے۔

ایک ضروری وضاحت

حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء کا جولائی کے پہلے عشرہ میں بمبئی کا سفر پیش آیا تھا جس کی رپورٹ اسی شمارہ میں آنا تھی لیکن جو مواد مجھے فراہم کیا گیا اس کی روشنی میں تیار شدہ رپورٹ مجھے ناقص معلوم ہوئی، اس لیے اب الرائد کی اشاعت کا انتظار ہے جس میں مدیر الرائد موصوف نے اسے مرتب کروایا ہے جس کا ترجمہ انشاء اللہ آئندہ شمارہ میں شامل اشاعت کیا جاسکے گا۔ تاخیر کے لیے معذرت۔

تعارف کتب

کتابوں کی دُنیا

م۔ ح۔ ح

دُعاؤں کے معجزانہ اثرات

واقعات کی روشنی میں (حصہ اول)

از : محمد الیاس ندوی بھٹکلی

ناشر : فرید بک ڈپو، دریا گنج، نئی دہلی

صفحات : ۱۳۰ قیمت : ۴۰ روپئے

روزمرہ کی مسنون دُعاؤں اور نبوی اذکار و اوراد کے انسانی زندگی پر مرتب ہونے والے حیرت انگیز نتائج ومحیت اثرات واقعات کی روشنی میں اس کتاب میں دکھائے گئے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ جب سارے سہارے ختم ہوجاتے ہیں مگر دُعا ایسا سہارا ہے جو مایوسی نہیں پیدا ہونے دیتا۔ دُعا کے لیے یقین ضروری ہے۔ جسے یہ دولت حاصل نہیں ہوتی وہی مایوس ہوتا ہے۔ مؤلف موصوف نے واقعات سے یہ یقین بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ پہلا حصہ ہے۔ کتاب کا موضوع یہ بتاتا ہے کہ جتنے حصے بھی سامنے آجائیں وہ کم ہی ہیں۔

تذکرۂ شیخ

مرتبہ : مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

ناشر : الفرقان بک ڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کی وفات پر ماہنامہ الفرقان نے دو حصوں میں الفرقان کی خصوصی اشاعت پیش کی تھی، آپ بیتی کی تلخیص مضمون کو جو حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے قلم سے تھا، باقی مضامین کو یکجا کرکے کتابی شکل دے دی گئی ہے، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ، مولانا اشرف سلیمانی۔ مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی اس کے اہم مقالہ نگار ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ ایک کتاب اور منظر عام پر لائی گئی ہے جو حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی کے حالات زندگی کے تعلق سے مشاہدات پر مبنی ہے اصلاً یہ ان کے مسترشد اور راقم کے استاد مولانا محمد زکریا صاحب سنبھلی کے تین مضامین کا مجموعہ ہے جو ۵۴ صفحات کا ایک رسالہ بن گیا۔

قادیانی مذہب کا اجمالی تعارف

از : مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری

نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

ناشر: دینی تعلیمی ٹرسٹ، چودھری گڑھیا، لکھنؤ

مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی دام مجدہٗ کے پیش لفظ کے ساتھ یہ کتاب ان کے ہی قائم کردہ ادارہ سے شائع ہوئی ہے، یہ ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں مرزا کے دجل کو واضح کیا گیا ہے اور اس کے بعد کے جانشینوں کے مکر وفریب کو ۲+۲=۴ کی طرح صاف کردیا گیا ہے، مزید عقیدۂ ختم نبوت کے سلسلہ میں مدلل اور دوٹوک بات پیش کی گئی ہے، قیمت درج نہیں ہے۔

روداد مباحثہ رنگون

مرتبہ : مولانا احمد بزرگ رنگونی

ناشر : دینی تعلیمی ٹرسٹ، لکھنؤ

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی کے مقابلہ میں لاہوری پارٹی کے رہنما کمال الدین قادیانی کو رنگون برما میں جس شکست فاش کا سامان کرنا پڑا تھا اور ذلت ورسوائی کے ساتھ رنگون سے واپس جانا پڑا تھا، ان مساعیٔ جمیلہ کی یہ کتاب ایک روداد ہے، اور حضرت امام اہل سنت کے علمی وجہادی تبرکات کا ایک حصہ ہے، ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے، قادیانیوں کو لاجواب کرنے والی یہ ایک بے مثال کتاب ہے، جانشین امام اہل سنت مولانا عبدالعلیم فاروقی شکریہ کے مستحق ہیں کہ وہ اپنے دادا کے مشن کو آگے بڑھانے میں پوری تگ ودو سے کام لے رہے ہیں۔

طباعت کتابت معیاری ہے، قیمت درج نہیں،

افکار پریشاں

از : مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہٗ

ناشر : مجلس معارف کاپودرا، گجرات

مولانا عبداللہ صاحب کاپودردی ایک ایسے عالم دین ہیں جنھیں دردمند دل عطا ہوا ہے اسی کے ساتھ فکرار جمند کے بھی حامل ہیں، زمینی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے آخرت کی ابدی منزل کی طرف متوجہ کرنے کا کام زبان وقلم اور درد وفکر سے انجام دیتے ہیں، ان کے متفرق مضامین کا یہ ایک مجموعہ ہے جو عبقری اور انقلابی شخصیات پر لکھے گئے، ان کے علاوہ زبان وادب کے تعلق سے، کتابوں کے تعلق سے سفرناموں کے تعلق سے مضامین بھی ہیں۔ اس طرح یہ ایک کاغذی عطر مجموعہ بن کر ہمارے آپ کے سامنے ہے البتہ ترتیب میں ایک طالب علمانہ اشکال یہ ضرور ہے کہ یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آئی آخر کیوں امام احمد بن حنبل کو کلیم الامت اور محدث دہلوی سے مؤخر کیا گیا۔

سوانح وتذکار العلماء، مولانا حبیب اللہ صاحب پالن پوری

مصنف : مولانا مہتاب عالم قاسمی صاحب

ناشر : مدرسہ الفضل جوہاپورہ سرخیز وڈ احمد آباد

مولانا حبیب اللہ صاحب پالن پوری ایک ممتاز عالم دین تھے جنھیں اپنے علم کے ساتھ درد وفکر اور عمل کی دولت بھی عطا ہوئی تھی، ملت کو بیدار کرنے، اسلام کی سربلندی کو واضح کرنے، مسائل

حل کرنے میں انھوں نے اپنے اشعار سے کام لیا۔ ندوۃ العلماء کے ان کے زمانہ تدریس میں ندائے ملت لکھنؤ سے ان کی جھنجھوڑنے والی نظمیں شائع ہوا کرتی تھیں۔ ملت کا یہ منادی آخر عمر میں گجرات میں معتکف ہوگیا۔ اور پھر اپنے رب کے حضور میں جا پہنچا۔ ان کے علمی تفوق، داعیانہ کردار، تبلیغی مساعی، عالمانہ وقار اور ان کی تصنیفی اور شعری خدمات کو ان کے ہی ایک شاگرد مولانا مہتاب صاحب نے اپنی اس کتاب میں پیش کیا ہے، حرکت آفاق کے نام سے مجموعہ شعری اور بھی مجموعے اپنے پیچھے چھوڑے، انتقال بھی خوب ہوا سفر حج کے لیے وطن سے نکل چکے تھے، بمبئی پہنچ کر وفات پائی۔ ساری تفصیلات اس کتاب سے حاصل کیجئے۔

ہماری مثالی کتاب

نام کتاب : ڈاکٹر سلیم محمد گنوری ندوی
مرتبہ :
شائع کردہ : شفا ہاؤس، خانقاہ روڈ، برہان پور، (ایم۔پی)

فاضل گرامی ڈاکٹر سلیم صاحب گنوری ندوی کا تیار کردہ یہ ایک مثالی نصاب ہے، جس میں انھوں نے زبان و ادب کی نزاکتوں اور اسلامی اقدار اور ملی مفادات کا لحاظ رکھتے ہوئے طلبہ و طالبات کو وہ غذا فراہم کرنے کی کوشش کی ہے جس سے وہ اپنا مستقبل دینی اور دنیوی اعتبار سے روشن کرسکیں، قاعدہ سے شروع کیا ہے، اس کے صفحات ۵۴ ہیں۔ اس میں تصاویر بھی ہیں مگر جاندار کی نہیں ہیں، اس کے بعد حصہ نمبر (۱) ہے۔ جس کے ۵۶ صفحات ہیں، اسی طرح دوسرا حصہ ہے، پھر تیسرا حصہ ہے، چوتھے حصے کے ۵۱ صفحات ہیں، پانچویں حصہ کے ۵۸ صفحات ہیں چھٹا حصہ ۱۰۶ صفحات پر مشتمل ہے، ساتواں ۱۱۸ صفحات رکھتا ہے، اور آٹھواں ۱۲۶۔ آٹھواں حصہ جو سب سے زیادہ صفحات رکھتا ہے، اس کی قیمت صرف تیس روپئے (۳۰ روپئے) ہے ۔۔ اردو زبان کا یہ اسلامی نصاب مدھیہ پردیش مدرسہ بورڈ بھوپال کی طرف سے منظور کردہ بھی ہے۔

انتخاب و تلخیص

آپ بیتی حضرت شیخ الحدیثؒ

از حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سات ضخیم جلدوں پر مشتمل آپ بیتی کسی تعارف کی محتاج کتاب نہیں ہے، اس کا اسلوب بیان ایسا دلکش ہے کہ جو ایک حصہ پڑھتا ہے وہ پھر سبھی حصے پڑھ کر دم لیتا ہے، علم تو حاصل ہوتا ہی ہے، صحیح شعور پیدا ہوتا ہے، ہمت و حوصلہ بلند ہوتا ہے۔ مزاج و اخلاق صحیح ڈگر پر آجاتے ہیں، اس کی اس افادیت اور تاثیر کے باوجود تلخیص و انتخاب کی ضرورت اہل نظر مصنفین نے محسوس کی، چنانچہ حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ نے اس کا بیڑا اُٹھایا، اور تلخیص کے ساتھ جہاں ضرورت سمجھی وہاں توجیہ یا تعلیق کا بھی کام کیا، اور ایک حسین انتخاب کے طور پر اس مجموعہ سے جو حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد ''الفرقان'' لکھنؤ نے نکالا تھا، الفرقان بک ڈپو نے حال ہی میں شائع کردیا، قیمت -/۴۵ روپئے رکھی گئی ہے۔ ☆☆☆☆☆

دُعائے مغفرت

معروف عالم دین مکرم جناب مولانا یعقوب اسماعیل منشی ڈیوز بیری انگلینڈ کے بڑے بھائی جناب محمد صاحب کا اپنے وطن کاوی میں ۶ر جولائی ۲۰۰۵ء کو اچانک قلبی دورہ پڑنے سے انتقال ہوگیا۔

قارئین تعمیر حیات سے دعا کی درخواست ہے۔ (مولانا عبدالقادر ندوی)

فاتح اندلس طارق... (صفحہ ۲۵ کا بقیہ)

کو صف بندی کا حکم دے دیا۔ صف بندی کے بعد جوشیلے انداز میں ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس میں اس نے اسلامی تاریخ کے بارے میں بتایا، تاریخ کے سنہرے باب دکھائے، طارق کی تقریر سے مسلمان جانبازوں کے خون میں تیزی پیدا ہوگئی اور شوق شہادت نے الفت دنیا اور محبت زن و فرزند کو دلوں سے مٹادیا۔ پھر جب یہ آہن پوش لشکر اسلامی لشکر سے ٹکرایا تو اسلامی لشکر کی تلواریں چمکیں، اندلسی فوج کی گھٹائیں کچھ تو خاک وخوں میں لتھڑی لاشوں کی صورت میں بدل گئیں اور باقی صفیں برقرار نہ رہ سکیں اور پارہ پارہ ہوگئیں، تکبیر کے نعروں سے میدان جنگ گونج اٹھا، ہر طرف تلوا ریں ہی تلواریں نظر آرہی تھیں اور نیزے ہی نیزے حرکت کررہے تھے، سرکٹ کٹ کر گر رہے تھے، خون کا سمندر بہہ رہا تھا۔ عیسائی اسلام کو مٹانے کی پوری کوشش کررہے تھے لیکن اسلام کا محافظ خدا تھا، اس کی شمع کو کون بجھا سکتا تھا جس کو خدا نے خود روشن کیا تھا، دھیرے دھیرے لرزیق کی فوج پسپا ہونے لگی۔ لرزیق کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور فوج سے بھاگ نکلا۔ بھگوڑوں کا اسلامی لشکر نے کچھ دیر تک تعاقب کیا مگر ان کی بدحواسی دیکھ کر تعاقب کرنا روک دیا اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ جسے سن کا اندلسی فوج کانپ اٹھی اور رفتار تیز سے تیز تر کردی۔ سارا میدان لاشوں اور زخمیوں سے پٹا پڑا تھا۔ طارق نے کفن دفن کا حکم دے دیا۔ جنگ ختم ہوگئی اور طارق بن زیاد ہزاروں گھوڑوں کے مالک بن گئے اور طارق کا آخری جملہ یہ تھا ''میرے لئے آرام اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ اندلس میں اسلامی حکومت قائم نہ ہوجائے۔'' اس میں شبہ نہیں کہ حضرت طارق بن زیاد کی یہ آرزو اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی۔

☆☆☆☆☆

نور بصیرت

دعوتِ اتّحاد و اتّفاق

ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صدیقی

اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں اختلاف نہ کرو، ورنہ تم میں بزدلی آجائے گی، اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر سے کام لو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (۸:۴۶)

طالبان کی اسلامی حکومت تباہ کردی گئی، پاکستان کے متعدد ہوائی اڈوں پر غیر ملکی قبضہ ہے، عرب ممالک کی تیل پالیسی کسی اور کے ہاتھ میں ہے، بغداد کا سقوط ہو چکا ہے، عراق میں کشت وخون جاری ہے، قرآن مجید کی بے ادبی میں انتہا ہوچکی ہے، فرقان الحق کی اشاعت جاری ہے، حکومتیں جھکائی جارہی ہیں، علماء خریدے جارہے ہیں اور ہم ہیں کہ ایک عمرانہ کے مسئلہ میں سب کچھ بھول کر ایک دوسرے کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور میڈیا کو یہ مواد فراہم کررہے ہیں کہ ہم متحد نہیں ہیں ہم کسی ایسی طاقت کو دعوت دے رہے ہیں جو اپنی طاقت کا ڈنڈا لے کر آئے اور ہم سب کو خاموش کرکے ہم پر یکساں سول کوڈ نافذ کردے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ ہماری بداعمالیوں کے سبب کیا ہونے والا ہے جب کہ بات صاف اور واضح ہے اسلام متعدد نہیں ایک ہے، ہم ایک مالک ومعبود اللہ پر متحد ہیں، ایک رسول پر متحد ہیں، ایک قرآن پر متحد ہیں، قیامت، آخرت، جنت دوزخ، ملائکہ اور تقدیر کی تعبیرات پر متحد ہیں، جن و شیاطین کے وجود کی تفصیلات پر بھی متفق ہیں۔ ہاں بعض احکام میں اختلاف ہوا یہ اختلافات کیوں ہوئے، نہ اس کی تفصیلات کا موقع ہے، نہ بیان اسباب کی ضرورت کہ امت نے ان اختلافات کو تسلیم کرلیا اور ان کو سند جواز دے دی۔ آج امت میں حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور اہل حدیث سب حق پر مانے جاتے ہیں، احکامات میں ان کا متحد ہونا اب تو ناممکن سا ہے، اتحاد و اتفاق کی ایک شکل ہے کہ احکامات میں ایک دوسرے کو انشراح قلب سے تسلیم کریں، ہمارے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے تو شیعہ حضرات کو بھی اپنے ساتھ لیا ہے ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کی فقہ میں دخل دینے کی کوشش نہ کریں، اسی طرح احناف میں بھی دیوبندی، بریلوی مسائل نہ بھڑکائیں، سب ایک ساتھ مل کر رہیں، اسی میں ہمارے لیے بھلائی کی امید کی جاسکتی ہے۔

عمرانہ کے مسئلہ میں حقیقت سے ناواقفیت ہے، عمرانہ نے کہیں استفتا نہیں بھیجا، کسی قاضی کی عدالت میں دعوا نہیں پیش کیا، میڈیا کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ اس کے خسر نے اس سے زنا بالجبر کیا، بات گاؤں کی نجی پنچایت میں آئی، پھر مقامی قاضی کے یہاں پہنچی، پھر مفتی تک پہنچائی گئی، اور مختلف النوع فیصلے سنائے گئے۔ پھر تو مختلف النوع تنظیمیں سرگرم ہوگئیں اور مختلف جماعتوں کے فتوے صادر ہونے لگے۔ پولیس نے یہ حالت دیکھ کر خسر کو جیل بھیج دیا۔

مسئلہ عام تمدن و معاشرت کا نہیں ہے، خالص دین کا ہے، دینی امور میں دوسروں کو دخل نہ دینا چاہئے۔ اگر عمرانہ نے کسی معتبر مفتی سے رجوع نہیں کیا تھا اور کسی مستند قاضی کی عدالت میں نہیں آئی تھی، مگر جب میڈیا نے اتنا اچھال دیا تھا تو کوئی معتبر دینی جماعت جس میں عورتیں بھی ہوتیں، تینوں کے بیان ریکارڈ کرکے ان کو صحیح دینی احکام سے واقف کراتی، اور میں سمجھتا ہوں ایسا ضرور ہوا ہوگا، تبھی تو دیوبند اور فقہ اکاڈمی کے ذمہ داروں کے بیانات آئے اور اب تو عمرانہ میڈیا کے گھیرے میں ہے۔

اس سلسلہ میں بڑی اہم بات یہ تھی کہ معلوم کیا جاتا کہ عمرانہ اور اس کا خاندان اسلامی احکام کے بارے میں کس مسلک پر ہے، حنفی ہے کہ اہل حدیث، کہ شیعہ، ظاہر ہے کہ مظفر نگر کے قرب میں یہی تین مسلک ہوسکتے ہیں اور جہاں تک میری معلومات ہیں عمرانہ کے مائیکہ وسسرال کا خاندان حنفی ہے۔ ایسی صورت میں زیب نہیں کہ اس وقت شیعہ حضرات یا اہل حدیث حضرات اپنے مسلک کی افادیت بذریعہ میڈیا اس تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ یا اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے بذریعہ میڈیا اپنی حقانیت امت پر ثابت کریں جبکہ یہ سبھی مسالک اپنی اپنی جگہ پر امت میں مسلم ہیں۔

بے شک حنفی مسلک کی رو سے جس میں دیوبندی اور بریلوی کا کوئی اختلاف نہیں اگر خسر نے اپنی بہو سے زنا بالجبر کیا ہے یا بالرضا، وہ بہو اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی۔ چاہئے کہ شوہر اسے طلاق دے دے، یا وہ اپنے شوہر سے خلع لے لے۔ یہ بھی نہ ہو تو قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کرکے، قاضی نکاح فسخ کردے، پھر عدت کے دن گزار کر وہ کہیں اور شادی کرسکتی ہے، لیکن اس زانی خسر کی کسی بھی اولاد سے نکاح نہیں ہوسکتا ہے کہ حرمت مصاہرت قائم ہوچکی ہے۔ حوالہ کے لیے دیکھئے قدوری صفحہ ۱۲۵، عالم گیری ج۔۳ ص ۲۵۲، علم الفقہ (از علامہ لکھنوی) ج۔۲ ص۔ ۵، زاد

المیسر فی علم التفسیر (از عبدالرحمٰن ابن الجوزی) ج۔۲ ص۔۴۴، کشف الرحمٰن (از علامہ احمد سعید) سورہ نساء آیت۔۲۲، تفہیم القرآن (از علامہ مودودی) ج۔۱ص۔۳۳۶ حاشیہ ۳۴، بیان القرآن (از علامہ تھانوی) تفسیر سورہ نساء آیت۔۲۲، بہار شریعت (از علامہ امجد علی) ج۔۷ ص۔۱۳، حیلۃ ناجزۃ (از علامہ تھانوی) ص۔۹۲۔۹۳۔ فتح القدیر ج۔۳ ص۔۲۱۹، احکام القرآن (جصاص) ص۔۱۱۲، ۱۱۳۔

بچوں کی کفالت شوہر پر ہے البتہ ۵ سال تک کے بچوں اور ۷ سال تک بچیوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے اور ماں اپنا حق لینا چاہے تو یہ چھوٹے بچے ماں کے حوالے ہوں گے۔ ان کی پرورش کے مصارف باپ کے ذمہ ہوں گے۔ البتہ اگر وہ کہیں ایسی جگہ شادی کرتی ہے جہاں بچوں کی پرورش میں خلل کا اندیشہ ہے تو بچوں کا باپ بچوں کی پرورش کا نظم خود کرے گا۔ (اسلامی فقہ (از علامہ مجیب اللہ ندوی) ج۔۲ ص۔۱۴۳۔۱۴۴)

اگر عورت اہل حدیث ہے تو اہل حدیث کے علماء سے، اور شیعہ ہے تو شیعہ کے علماء سے پوچھ کر ان کے فتوے پر عمل کرے لیکن یہ بات بہت ہی خراب ہے کہ حنفی عورت یا مرد کو اہل شیعہ اور اہل حدیث اپنا مسئلہ بتائیں سوا اس کے کہ وہ خود ان سے رجوع کریں۔ رہی بات زانی خسر کی سزا کی تو بے شک اسلام میں اس کی سخت ترین سزا ہے ثبوت مہیا ہونے پر اسے سنگسار کیا جانا چاہئے۔ لیکن ہندوستان میں اس کا نفاذ نہ اہل حدیث کے یہاں ممکن ہے نہ احناف کے یہاں۔ البتہ حکومت ملکی قانون کی رو سے سزا دے سکتی ہے۔ اور امید ہے کہ عبرتناک سزا دے گی، لیکن یاد رہے اس وقت اپنی توانائی اس میں صرف کرنا کہ صرف احناف صحیح ہیں اور سب غلط ہیں یا یہ کہ صرف اہل حدیث صحیح ہیں اور سب غلط ہیں، لاحاصل ہے اور اتحاد امت کے لیے سخت مضر، جب کہ ان مسلمہ مسالک میں سے کسی کا ختم ہونا ناممکن ہے۔

اہل امت سے میری درخواست ہے کہ وہ متحد رہیں مسلکی اختلافات میں تسلیم شدہ مسالک میں، ایک دوسرے کے مسلک میں، دخیل نہ ہوں اور اہل وطن کے رہنماؤں اور ہمدردوں سے درخواست ہے کہ وہ مذہبی امور میں دخیل ہوکر دہریت کو دعوت نہ دیں اور یاد رکھیں کہ چند ناواقف لوگوں کے بیانات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جب مسلمانوں کو احساس ہوجائے گا کہ آپ کی ہمدردی اس میں ہے کہ وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز اسلام کو خیر باد کہہ دیں تو وہ آپ کو اپنا دشمن سمجھنے میں دیر نہ کریں گے۔

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں

ممبئی کے قارئین ''تعمیر حیات'' سے گزارش ہے کہ ''تعمیر حیات'' کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA

44,Haji Building, S.V.Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele: Add Cupkettle
Tel:3460220,3468708

۱۲ نمبر اور ۱۲x کی اسپشل چائے استعمال کیجئے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوئی کی خود نوشت

سوانح حیات

کاروانِ زندگی

ایک معلم، مصنف، مورخ، داعی اور رہنما کی سرگذشت حیات جس میں ذاتی زندگی کے مشاہدات و تجربات۔ احساسات و تاثرات اور ہندوستان اور عالم اسلام کے واقعات و حوادث اور تحریکات و شخصیات کے مطالعہ کا ماحصل اس طرح گھل مل گیا ہے کہ وہ ایک دلچسپ و سبق آموز آپ بیتی اور ایک مورخانہ و حقیقت پسندجگ بیتی بن گئی ہے اور چودھویں صدی ہجری، بیسویں صدی عیسوی کی تاریخ و سرگذشت کا اہم باب محفوظ ہوگیا ہے۔ ایک تاریخی دستاویز ☆☆ ادبی مرقع ☆☆ دعوت فکر و عمل

فولو آفسیٹ کی بہترین کتابت و طباعت سے آراستہ، سات جلدوں پر مشتمل

قیمت=/Rs. 610 طلباء کی لیے خصوصی رعایت

مکتبہ اسلام ۱۷۲/۵۴۔ محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۱۸

حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء کا

سفر دہرہ دون اور ادارہ شباب اسلامی میں قدوم میمنت لزوم

(گذشتہ سے پیوستہ)

تاثرات

حامداً ومصلیاً و مسلماً۔ ادارہ شباب اسلامی کے مدرسہ واسکول کو میں نے گذشتہ دنوں میں دہرہ دون کے سفر میں دیکھا تھا اور اپنے تازہ سفر میں بھی دیکھا، اور دو روزہ اس کے مہمان خانہ میں ٹھہرا، اور مسجد میں نمازیں ادا کیں، دار الاقامہ اور درسگاہ کو دیکھا جو پہلے کے مقابلہ میں مزید بڑھ گئی ہیں، اور ان میں ترقی واضافہ جاری ہے۔

مدرسہ اور اس کے متعلقات کو دیکھ کر اس کے بانی و منتظم اعلیٰ مولوی رسال الدین صاحب حقانی ندوی کی محنت، ذوق اور حسن انتظام کا اندازہ ہوا، ماشاء اللہ اپنی اپنی اس کم عمری میں ایسا اچھا اور مفید کام انجام دے رہے ہیں جو پختہ عمر کے با صلاحیت حضرات انجام دیتے ہیں۔ ان کا ذہن رسا اور فکر و مقصد عمل میں جذبہ اور اعتدال بخوبی پایا جاتا ہے، ندوۃ العلماء کے تعلیمی و تربیتی فکر و تدبیر کے حامل اور اسی کے مطابق عمل پیرا ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے فکر کو اچھی طرح اپنے میں سمونے کی کوشش کی ہے، ان کے مضامین و کتب کا مطالعہ کیا ہے، بلکہ ان سے عطر نچوڑنے کی کوشش کی ہے، اپنے ادارہ کو ان کے نام کے ساتھ منسوب کیا ہے، اور اب سے بڑی بات یہ ہے کہ تصنیف و تالیف کا ذوق اخذ کیا ہے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین و تقاریر کا مطالعہ کر کے آیات قرآنی کی تشریحات کو ان میں سے چنا ہے، اور ان کو کتاب کی صورت میں جمع کر کے شائع کیا ہے، ''افادات قرآنی'' کے نام سے ان کی یہ تصنیف مقبول بھ ہوئی ہے، اور اب برطانیہ کا ایک مسلم ادارہ اس کو انگریزی میں بھی ترجمہ کر کے شائع کر رہا ہے۔

مدرسہ اور اسکول کے نظام سے میں نے واقفیت حاصل کی، دونوں کو مناسب اور تجربہ میں آئے ہوئے طریقہ سے انجام دے رہے ہیں، میں اس کے لئے اپنی قدردانی کا اظہار کرتا ہوں، اور دعاء کرتا ہوں کہ برابر ترقی ہو اور اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو قبول فرمائے اور مزید کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

دعا گو

(حضرت مولانا) محمد رابع حسنی ندوی
ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

تاثرات

عزیزی مولوی رسال الدین حقانی ندوی کی دعوت پر دیرہ دون حاضری اور قیام کا موقع ملا، قیام کے دوران ادارہ شباب اسلامی اور آزاد ایجوکیشنل اکیڈمی کے نظام سے واقفیت حاصل ہوئی، جس سے بڑی خوشی ہوئی، یہ دراصل دینی تعلیم اور عصری تعلیم اور فکر و تربیت اسلامی کو جوڑنے کی کوشش ہے۔ اگرچہ ابھی آغاز ہے لیکن کم وقت میں متعدد عمارتیں بن گئی ہیں، ماحول علمی بھی ہے اور شاعرانہ بھی۔ ایک لائبریری بھی ہے، جسمیں اسلامی فکر اور ادب وفن اور فن تعلیم و تربیت سے متعلق کتابیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ علم کی شائقین کثرت سے کتابیں لے جاتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں اور اچھے نتائج ظاہر ہو رہے ہیں۔ ایک خوبصورت مسجد بھی تعمیر ہوچکی ہے جو عبادت اور توجہ الی اللہ کے عنصر کا علم سے جوڑ پیدا کر رہی ہے۔ مسجد دونوں نظاموں میں اپنا فیض شامل کر رہی ہے۔

مولوی رسال الدین حقانی کو ہم نے قرآنی افادات کی ترتیب اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف مضامین کے جمع کرنے اور ان کی کتابی شکل دینے کی حیثیت سے جانا تھا، جو کام وہ مولوی عبداللہ حسنی سلمہ اللہ کے مشورہ اور رہنمائی میں کر رہے ہیں، اور اس میں ان کی کوششوں کو بڑی اچھی نظر سے دیکھا گیا ہے، لیکن اس ادارہ کے نظم و نسق اور اس میں جامعیت کے تصور کی عملی شکل کو دیکھ کر مزید خوشی ہوئی، امید ہے کہ علاقہ کے اہل فکر و دانش کے تعاون سے یہ ادارہ ایک مثالی ادارہ بن جائے گا۔

ضرورت ہے کہ عصری تعلیم معیاری ہو، اور اس میں دینی تعلیم و تربیت کا رنگ غالب ہو، اس کے ساتھ دینی تعلیم، حفظ اور عربی درجات کا نظم بھی اس طرح ہو کہ دینی علوم کے ساتھ عصری واقفیت اور زندگی میں خود کفیل ہونے بلکہ سوسائٹی کو فائدہ پہونچانے کی صلاحیت بھی ہو۔ دونوں نظاموں میں تربیت کے ساتھ ساتھ وسیع علمی مطالعہ اور عملی میدان میں تجربہ، افہام و تفہیم کی صلاحیت اور دعوتی جذبہ پیدا کیا جائے، یہ اگرچہ بہت اعلیٰ اور مشکل مقصد ہے، مگر ایک تناور درخت کی ابتدا ایک بیج سے ہوتی ہے، بیج دیکھ کر تناور درخت کا تصور کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے، بلکہ واقعہ ہے، اور اور زندگی اسی امید پر قائم ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کام کو جس کی ابتدا ہے اپنے مقصد اعلیٰ کی تکمیل کی منزل تک پہنچائے، آمین۔

(جناب مولانا) محمد واضح رشید حسنی ندوی
عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ
(مرسلہ جناب رسال الدین حقانی)

قانونِ مکافاتِ عمل

خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں خدا کا یہ قانون ہے کہ عمل کی پاداش کا ظہور دیر سویر ہو کر رہتا ہے، اس سے کسی کو مفر نہیں۔ بقول نظیر اکبر آبادی۔ ع۔

کلجگ نہیں کریگ ہے یہ، اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔ اور یہ محاورہ تو زبان زد خاص و عام ہے ''جیسی کرنی ویسی بھرنی''۔ چنانچہ معاملہ فرد کا ہو یا قوموں اور ملکوں کا، قدرت کی عدالت کا قانون سب کے لیے یکساں ہے، سکندر و دارا، ہنی بال و جولیس سیزر، مسولینی اور ہٹلر اپنے اپنے دور کی وہ شخصیتیں رہیں کہ جن کا نام سن کر روح کانپ اٹھتی تھی لیکن آج ان کا نہ کوئی فسانہ سنانے والا ہے، نہ ان کے رعب و داب کی عظمت کا کوئی مرثیہ خواں ہی ہے۔ رہی قومیں اور تہذیبیں تو یونانی و رومی، ایرانی و تاتاری اور افغانی کا اپنے اپنے عہد میں کیسا دبدبہ تھا اور دنیا میں ان کی شوکت و عظمت اور سطوت کا کیسا ڈنکا بج رہا تھا اور ان کا نام سن کر دوسری قوموں پر خوف و ہراس اور سراسیمگی کا کیسا عالم طاری ہو جاتا تھا اور ان کے توسیع پسندانہ عزائم کے اقدام سے کس طرح ملکوں اور قوموں کی قسمتوں کے نقشے بدل جاتے تھے، لیکن اپنے ظلم و جور اور سفاکیت و درندگی نے انھیں وہ دن بھی دکھائے کہ تاریخ میں وہ حسرت و ناکامی کی ایک علامت بن کر رہ گئے، لیکن ہائے رے بے بصیرتی اور نادانی کہ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرنے والا انسان قدرت کے اس قانون مکافاتِ عمل پر نہ تو غور کرتا ہے اور نہ اس سے عبرت پکڑتا ہے۔ گزشتہ قوموں اور تہذیبوں اور فرعون صفت انسانوں کا انجام کھلی کتاب کی طرح اس کے سامنے ہے لیکن طاقت و قوت کے نشہ سے سرشار حکومتیں اور افراد زندگی اور موت کی طرح عیاں اور اٹل اور دو اور دو چار کی طرح واضح اور بیّن قانون مکافاتِ عمل کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ گویا دلوں پہ مہر لگ گئی ہو اور عقل پر پردے پڑ گئے ہوں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا خیر امت کے لیے محض شکوہ سنج رہنا کافی ہے، جبکہ اسے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ ظالم کی اس صورت میں مدد کرے کہ وہ اسے ظلم سے روک دے۔ طلسمات و عجائبات کے مجموعہ کے مظہر متکبر و انانیت پسند ظالم افراد یا حکومتیں ہمیشہ سے رہی ہیں اور رہیں گی۔ ان کی بدولت نہ صرف انسان کی اقتصادی و سیاسی زندگی اثر انداز ہوئی ہے بلکہ مذہب و اخلاق بھی اس سے متاثر ہوتے رہے ہیں۔۔۔ ان دنوں بھی عالمی صورت حال اس سے مختلف نہیں ہے، مذہبی و اخلاقی قدروں کے زوال کے باعث انسان کو جسے ''احسن تقویم'' کا نمونہ ہونا چاہئے، وہ ''اسفل سافلین'' کی تصویر پیش کر رہا ہے، اس صورت میں خیر امت کی ذمہ داری دوہری ہے، ایک تو خود کو بحیثیت امت احسن تقویم کا نمونہ بنا کر پیش کرنا اور دوسری یہ کہ اپنے ساتھ مخاطب قوموں کو بھی اسفل سافلین کی مثال بننے سے روکنے کی تدبیریں اختیار کرنا اس لحاظ سے عالمی صورت حال ایک صالح انقلاب کی متقاضی ہے اور تہذیب انسانی کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب کبھی بھی دنیا میں انقلاب بپا ہوا تو اس میں کردار نبھایا قلم کی طاقت نے اور مادی قوت نے اور اس دینداری و روحانیت نے جس کے متعلق اقبال کہہ چکے کہ آہ سحر گاہی کے بغیر کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

ضرورت ہے کہ ایک طرف مسلمان قلم اور ذرائع ابلاغ کی طاقت سے مذہب کش نظریات کا دھارا پلٹ دیں، دوسری طرف مادی وسائل اور اپنی حکومتوں کے زور بازو سے یہ ثابت کر دکھائیں کہ اسلام ایک فلسفہ نہیں بلکہ دین اور ایک مستقل تہذیب ہے اور تیسری طرف عبادت و ریاضت سے اپنے رب کو منالیں جو محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان سے روٹھ گیا ہے، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان واقعی مومن ہوتے اور اس کے باوجود سر بلند نہ رہتے۔ امت نے اگر اپنے منصب و مقام کو نہیں پہچانا تو وہ یہ نہ بھولے کہ ظالم طاقتوں کے ساتھ ساتھ قانون مکافاتِ عمل اس کے لیے بھی ہے۔ العیاذ باللہ۔

Mob. : 9415090544, Shop : 2627446, Res. : 2254796 ------(پروپرائٹر : ولی اللہ)------

WALI ULLAH JEWELLERS
All Kinds of Gold, Silver & Diamond Jewellery

ولی اللہ جویلرس
Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow - 226 018

قنوج کے قدیم مشہور و معروف کارخانہ سے تیار کردہ خوشبودار عمدہ و اعلیٰ شمامۃ العنبر
☆عطر گلاب ☆روح خس ☆عطر موتیا ☆عطر حنا ☆عطر گل ☆عطر کیوڑہ
☆اس کے علاوہ فرحت بخش، دیرپا خوشبو بول سیل ریٹ پر ملتے ہیں۔
ایک بار آزما کر خدمت کا موقع دیں فون: 234445

محمد یٰسین محمد یامین تاجران عطر
ایکسپورٹر اینڈ امپورٹر، قنوج یوپی آئیڈیل پرفیوم سنٹر (پرائیویٹ لمیٹیڈ) قنوج

دو تازہ تالیفات

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ایک عبد ساز شخصیت
از : حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی
ایک تذکرہ
از : مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن الاعظمی ندوی

Maqbool Mian Jewellers
مقبول میاں جویلرس
Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow
Phone : 2618636, 2258506
Mobile : 9415001207

IZHARSON PERFUMERS
Phone : 0522-2255257
اظہارسن پرفیومرس
لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ خوشبودار عطریات
روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ،
عرق کیوڑہ، عرق گلاب، اگربتی، ہربل پروڈکٹ
کی ایک قابل اعتماد دکان
ایک مرتبہ تشریف لا کر خدمت کا موقع دیں
اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ ۳
تیار کردہ
Izharson Perfumers
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-226003
E-mail : izharsonperfumers @yahoo.com

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirts, Trousers, Coat-Suits, Embroidered, Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.
شادی بیاہ، تیج بہار اور تقریبات کے لئے شاندار و خوبصورت، تشریف لائیں
menmark ®
54, Hakeem Market, Hazrat Ganj, Lucknow
Phone (S)2616946, (R)2627443